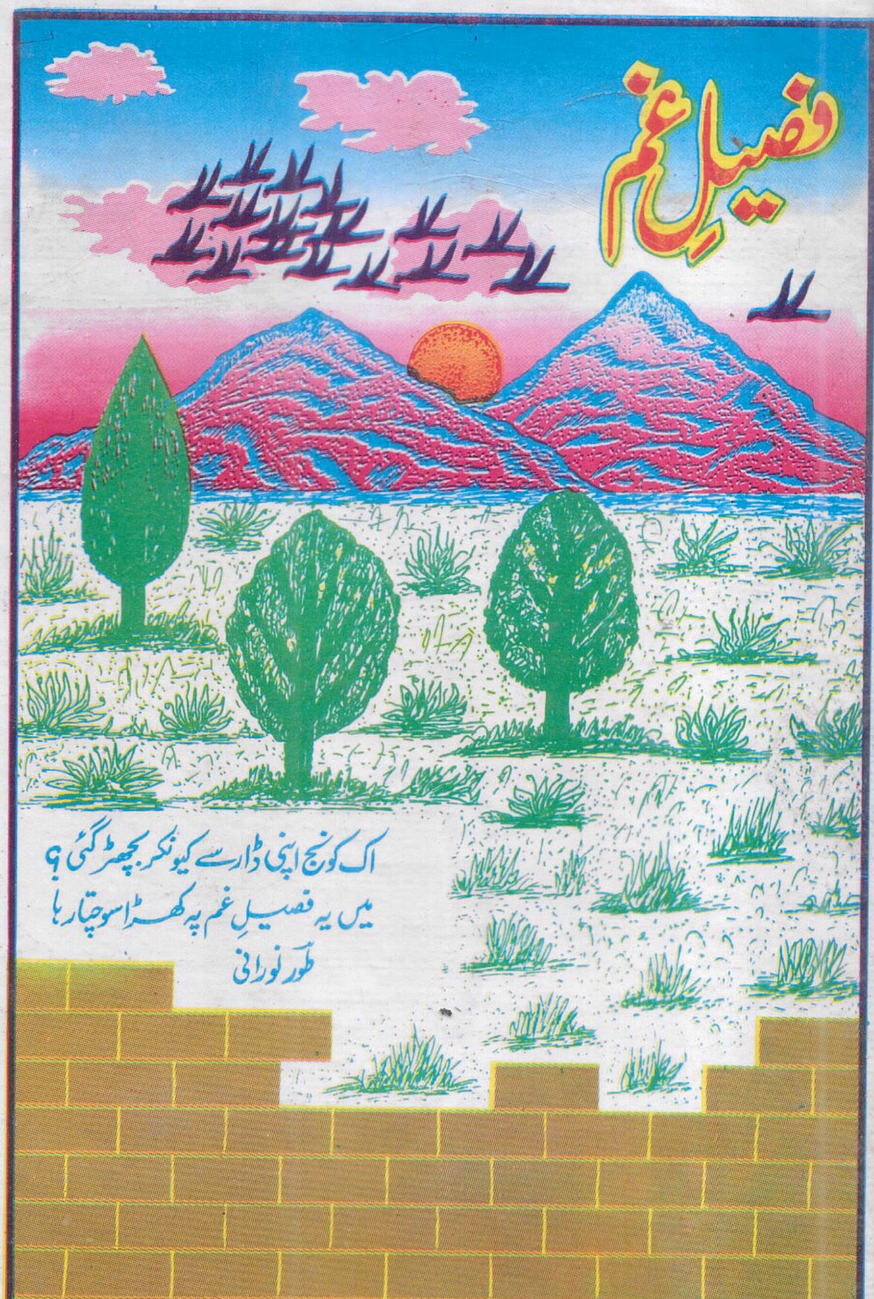

فصیلِ غم
اک کونج اپنی ڈار سے کیونکر بچھڑ گئی ؟
میں یہ فصیلِ غم پہ کھڑا سوچتا رہا
طورؔ نورانی

فصیلِ غم

حصۂ دوم چراغِ طورؔ

غزلیات

اِک کونج اپنی ڈار سے کیونکر بچھڑ گئی
میں یہ فصیلِ غم پہ کھڑا سوچتا رہا

طورؔ نورانی

نام مصنف :- سراج الدین طور نورانی

نام کتاب :- فصیلِ غم

سن اشاعت :- ۱۹۹۷ء جنوری

تعداد :- ایک ہزار (۱۰۰۰)

مطبع :- ثنائی پریس سرگودھا۔

نام کاتب :- محمد یوسف خوشنویس شادیوال چک ۳۰ ضلع منڈی بہاؤالدین
محمد عبدالباقی اعوان متعلم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا

ضخامت :-

قیمت کتاب :- ۱۰۰/روپے

سرورق :- غلام مصطفٰی صاحب متعلم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ سعیدیہ - ڈیرہ میاں صاحب کدھر شریف تحصیل ملکوال ضلع منڈی بہاؤالدین

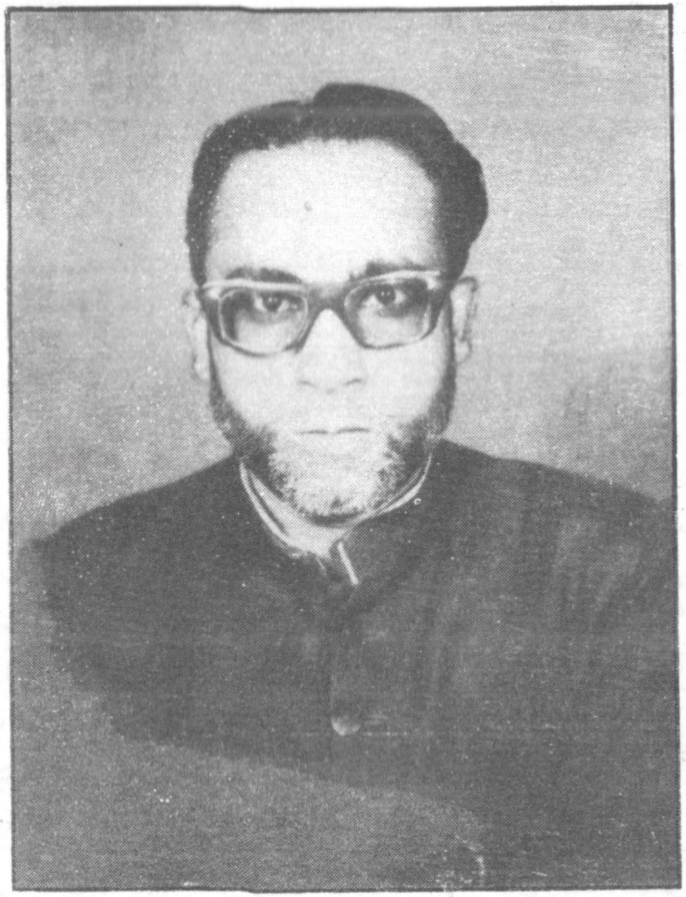
۲- طور نورانی - میانہ گوندل، تحصیل ملکوال ضلع منڈی بہاؤالدین۔

انتساب

ان اہل علم و فن کے نام
جن کی توجہ اور فیضانِ نظر سے
"فصیلِ غم" لکھنے کے قابل ہوا۔

ہنر والوں سے ہم نے آج تک اتنا ہنر جانا
کرن بن کر کسی گہرے سمندر میں اتر جانا

طور نورانی



طُور نورانی

٧٨٦
٩٢

In the name of ALLAH, the most beneficent & merciful

GHUNCHA-E-HIND
ماہنامہ غنچۂ ہند کلکتہ
A Progressive Urdu Monthly
69; NARKELDANGA NORTH ROAD, CALCUTTA-700011

Ref. M.o.67/80 Date 26/10/1980

مکرمی و محترمی عالی جناب طور نورانی صاحب
آداب و خلوص!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے!
ضرورت ہے کہ میری ادارت میں اردو کا ایک ادبی ماہنامہ منظر عام پر ہے اور آپکے
علمی تعاون کا محتاج ہے کیا ہی بہتر ہوتا اگر آپکی شمولیت بھی ہو جاتی کیونکہ آپکی شخصیت
ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔
اراکین غنچۂ ہند منتظر ہیں۔ ادب کا وہ پھول ہے نور کہتے ہیں اب تک
دور دور ہے فقط خوشبو ہی آ رہی ہے اسلئے مودبانہ گذارش ہے کہ اپنی
گلہائے تحریر و تخلیق جلد از جلد ارسال کرنے کی زحمت گوارہ کریں اور ہمیں
بھی شکریہ کا موقع فراہم کریں! امید ہے کہ ناامید نہیں کرینگے!
علاوہ ازیں اپنے حلقۂ احباب سے بھی متعارف کرائیں عین ادب نوازی
ہوگی اور ادارہ مشکور و ممنون ہوگا۔ جواب آ جانے پر تازہ شمارہ آپکی
خدمت میں ارسال کر دونگا!

جواب کا منتظر:- نیاز مند فقط والسلام

ایڈیٹر:-
سید معین الدین احمد

عرضِ حال

والدین کا رکھا ہوا نام "محمد سراج الدین"، قلمی نام "طور نورانی" پانچ بھائیوں اور پانچ بہنوں میں نویں نمبر پر ہوں۔ ایک بھائی اور ایک بہن میری پیدائش سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت ہم چار بھائی اور چار بہنیں زندہ ہیں۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔

پیدائش کا سن ۱۹۳۵ء ہے مقام پیدائش ناگپور سی۔پی۔ موجودہ صوبہ مہاراشٹر ہندوستان ہے۔ شاعری کا آغاز ۱۲ - ۱۳ سال کی عمر سے کیا۔ غالباً ۱۹۴۸ء سے شعر کہہ رہا ہوں۔ ابتدا میں چند غزلیں ناطق گلاوٹھی کو بغرضِ اصلاح دکھائیں۔ حضرت ناطق گلاوٹھی حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور علامہ اقبال کے استاد بھائی تھے۔ ہمارا گھرانہ دینی ماحول کا تھا۔ اجداد زمیندار اور والد صاحب شہر کی جامع مسجد میں خطیب و امام تھے۔ اس لیے شروع ہی سے گھر میں دینی اور مذہبی تربیت ملی۔ اور والد صاحب نے مروّجہ تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی۔

ابتدا ہی سے میلانِ طبع شاعری اور فارسی ادب کی طرف تھا۔ مولانا عبدالقدوس ناطق مرحوم، مولانا عبدالحلیم طالب راٹپوری، پروفیسر منشاء الرحمن صاحب منشاء ناگپور یونیورسٹی، پروفیسر خلیل الہدیٰ شارق امراؤتی پروفیسر سید ضیاء الحسن ایم۔اے علیگ، امراؤتی جناب حبیب الرحمن صاحب صدیقی مرحوم، امراؤتی اور جناب بابو جمیل احمد صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی علیگ، جناب اسحاق افسر صاحب پر مشتمل ہے جو میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہے۔

میری ادبی کاوش تقریباً ۵۰ سال پر مشتمل ہے اور شعری تخلیقات سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ موجودہ مجموعہ غزلیات کا انتخاب ہے اس کے بعد ان شاء اللہ نظموں کا مجموعہ بھی عنقریب شائع ہوگا۔

اس وقت میں پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں شعبہ ادبیات فارسی اردو سے منسلک ہوں۔ حضرت قبلہ محترم جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی یہ عظیم درس گاہ ہے۔ جو کہ علمی لحاظ سے ایک مثالی درسگاہ ہے۔ اور مجھ کم علم ہیچمداں کا اس درس گاہ کے شعبہ ادبیات فارسی اردو کا صدر ہونا ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

فصیلِ غم آپ کے ہاتھوں میں ہے اور اس کی پذیرائی کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو حق حاصل ہے۔ جہاں تک میری کوشش اور کاوش کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی جانب سے اس میں کوتاہی نہیں کی اور میں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے غزلوں اور چند نظموں کا انتخاب کیا ہے پھر بھی اگر اہلِ علم وفضل اور صاحبانِ فن اس میں خامیاں اور غلطیاں پائیں تو صرفِ نظر فرمائیں۔ عیب سے پاک صرف اللہ کا کلام ہے اس کے مقابلہ

میں انسانی فکر کمزور اور ناقص ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ "فصیلِ غم" کو اہلِ علم و عوام میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین

طور نورانی
صدر شعبۂ ادبیات فارسی اردو
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سرگودہا

۱۲ ستمبر ۱۹۹۶ء

دیباچہ

اک کونج اپنی ڈار سے کیونکر بچھڑ گئی
میں یہ فصیلِ غم پہ کھڑا سوچتا رہا

دنیا میں جس چیز میں بھی زندگی کے اثرات پائے جائیں اس کے بارے میں یہ تصور کرنا محال ہوتا ہے کہ تغیرات زمانہ اس پر اثر انداز نہ ہونے پائیں گے باغ میں مہکتا ہوا ایک پھول کبھی اپنی ٹہنی سے ایک کونپل کی صورت میں نمودار ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ رات کو شبنم سے خوراک لیتے۔ صبح کی بادِ صبا سے خوشبو سمیٹتے دن کو سورج کی لطیف کرنوں سے زندگی کی لہریں سمیٹتے وہی کونپل ایک صبح پھول بن کر کھلتی ہے اور پورے گلستاں میں ایک خوشبو، ایک نیا رنگ بھرتی ہے۔ لیکن اسی پھول کو بھی دوام نہیں۔

انسانی قہقہوں، خوش رنگ بہاروں، پرندوں کے نغموں، بادِ صبا کی سرسراہٹوں کو اگر زندگی کہا جائے گا تو ساتھ ساتھ سیاہ راتوں اور گھپ اندھیروں کی شکل میں جو سائے انسانی سانسوں کے ہمرکاب ہوتے ہیں۔ ہم انھیں بھی زندگی کا نام دینے پر مجبور ہیں۔ انسان غموں سے دور بھاگنا چاہتا ہے وہ پھول کو کانٹوں کی چبھن کے بغیر اپنی جھولی میں بھرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ آنکھوں کو لذت نظارہ سے محروم رکھتے ہوئے صرف مسکراہٹوں کو اپنے لبوں کا مقدر کر سکے۔ اسی

آرزوؤں میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ سمندر میں غوطہ زنی سے بھی بچ جائے اور قیمتی ہیرے، موتی بھی اس کی دسترس میں آجائیں لیکن یہ کیونکر ہو۔

قدرت نے جو نظام مقرر کر دیا وہ اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ قائم ہے۔ دن کے بعد رات نے ضرور آنا ہوتا ہے۔ بہاروں کے بعد خزائیں بھی خیمہ زن ہوتی ہیں۔ اور دھیمی دھیمی مسکراہٹوں، کھنکھناتے قہقہوں کے ساتھ ساتھ نینوں کی بوندا باندی بھی زندگی کا حصہ ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی کی تمام رعنائیوں کے ساتھ ساتھ اگر حزن و ملال کی ہلکی ہلکی چبھن نہ ہو تو زندگی بے کیف ہو جائے۔

اے کہ جو لذتِ انجمن پہ نازاں ہے
دن ڈھلے کبھی تو تنہا بھی ہو کے دیکھ

کبھی ایسا تو ہو سکتا ہے کہ ایک عام شخص رنگ برنگے پتھروں میں پڑے ہیرے کو پہچاننے سے قاصر ہے لیکن ایک قابل جوہری کے متعلق تو یہ گمان کرنا بھی عبث ہوگا اور ایک بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ جسطرح عام پتھروں سے ہیرے کو الگ کرنا ایک جوہری کی ذمہ داری ہے وہیں اس جوہری کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اس ہیرے کی تراش خراش اس انداز سے کرے کہ جب دنیا والوں کی نگاہیں اس پہ پڑیں تو اس ہیرے کی بناوٹ اور چمک دمک ان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے۔ جناب محمد سراج الدین طور نورانی بھی ایک ایسا ہی ہیرا ہیں جو کہ دنیا

کی نظروں سے ایک عرصہ تک پوشیدہ رہے۔ ادباء اور شعراء کے علاوہ عوام الناس میں سے وہ لوگ جو شاعری کے میدان میں ہر وقت غالب اور میر کے نام کی مالا جپتے تھے وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ انکے درمیان بھی ایک ایسی شخصیت موجود ہے جس کے کلام میں میر جیسی پختگی، غالب جیسی بے ساختگی اور ذوق جیسی لطافت موجود ہے بلکہ انکے کلام میں ایک خاص رنگ بھرا ہوتا ہے جو اُنکو دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے جیسے آپکا یہ شعر ؎

چہرے سے اتری نہیں پیر تو کرن کو کیا ملا؛
ایک لمبی سی مسافت کا صلہ، چہرے پہ دھول

جناب محمد سراج الدین طور نورانی ۱۹۲۵ء کو صوبہ مہاراشٹر کے علاقہ ناگ پور میں پیدا ہوئے۔ آپکے والدین نے آپکا نام محمد سراج الدین رکھا۔ بعد میں شعر و شاعری کے ذوق سے آپ نے اپنے نام کے ساتھ اپنا قلمی نام طور نورانی ملا دیا۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بچپن ہی سے شاعری سے لگاؤ رہا اور بارہ تیرہ برس کی عمر میں آپ نے باقاعدہ اشعار کہنے شروع کیئے۔ آپکے استاد ناطق گلاوٹھی مشہور شاعر داغ دہلوی کے شاگرد اور فنِ شاعری میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور اُس کے ساتھ اپنے زمانہ کے قابل اساتذہ کے پاس فارسی ادب میں اکتسابِ فیض کیا۔

قیامِ پاکستان سے پہلے آپکے حلقۂ احباب میں اُس وقت کے عظیم شاعروں اور ادیبوں کے نام آتے ہیں۔ مثلاً مولانا عبدالقدوس ناطق۔ مولانا عبدالحلیم دلاور (رائے پوری) پروفیسر منشاءالرحمان، حبیب الرحمٰن صدیقی، بابو جمیل احمد (علیگ) یہ حضرات ہندوستان کے متعلقہ تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کراچی تشریف لے آئے جہاں آپ کی بابائے اردو مولوی عبدالحق، نیاز فتحپوری، مولانا ماہرالقادری، بہزاد لکھنوی، رد کاکوری، منور بدایونی سے بھی خاص محافل رہیں۔ کراچی قیام کے دوران حضرت احسان دانش سے مشاعروں میں ملاقاتیں رہتی تھیں۔ جو آپ پر خصوصی محبت و شفقت فرماتے تھے۔ جب ۱۹۷۲ء میں کاروبار کے سلسلے میں کراچی سے لاہور منتقل ہوئے تو حضرت احسان کے شدید اصرار پر دو ماہ تک آپ کا قیام دانش کدہ انارکلی میں ہی رہا۔ اسی دوران ایک بار احسان دانش کے ہمراہ منڈی بہاؤالدین میں ایک مشاعرہ کے سلسلہ میں آئے تو اُس وقت کے اسسٹنٹ کمشنر مرتضیٰ برلاس سے احسان دانش نے آپ کے متعلق بات کی۔ اور اُسکے بعد آپ نے منڈی بہاؤالدین میں ہی اپنا کاروبار شروع کرلیا۔ اور دو سال تک وہاں کام کیا اس کے بعد آپ نے اپنا کاروبار میانہ گوندل میں شروع کیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

اس عرصہ میں حضرت احسان دانش، نازش حیدری، حفیظ جالندھری اور طفیل ہوشیارپوری سے علمی و ادبی حوالے سے خصوصی مراسم و ملاقاتیں رہیں جبکہ سیّد ضمیر جعفری، پروفیسر انور مسعود جیسے عظیم شعراء سے اب بھی اُنکے دوستانہ مراسم چلے آرہے ہیں ان تمام کاموں کے ساتھ ساتھ اور ناساعد حالات کے باوجود آپ کا ذوقِ شعری پروان چڑھتا گیا۔ آپ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو ایک مرتبہ پھر بھارت گئے۔ تو پوسد ضلع ایوت محل میں آپ کو ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی جوکہ مجلس ادبیاتِ اقبال اور ایک ہندی انجمن کے باہمی تعاون سے منعقد ہو رہی تھی آپ نے وہاں ایک نظم "علوئے فکر" کے عنوان سے پڑھی جس کے ایک ایک مصرع بلکہ ایک ایک لفظ نے حاضرینِ محفل کو اپنے حصار میں قید کرلیا۔ آپ کے اشعار کی وہ پذیرائی ہوئی اور اس طرح دادِ تحسین سے نوازا گیا کہ ان لوگوں نے اسی محفل میں آپ کو "سلطان القلم" کا خطاب دیا۔ یہ خطاب آپکو پروفیسر سیّد ظہور الحسن شاہ صاحب ایم۔ اے (علیگ) صدر مجلس ادبیاتِ اقبال کی جانب سے فروری ۱۹۸۵ء میں ملا۔

اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ اشہبِ خیال سبک رو سبک خرام — پل بھر میں جس نے چرخ پہ جا کر کیا قیام
ہوئے نگاہ ہے جشنِ تجلی کا التزام — پہنچے نہ اس کی گرد سمندِ نگاہِ خاص

پڑتے ہی عکس خالقِ کل کائنات کے
کھلنے لگے ہیں بھید حیات و ممات کے

اشعار کو کیسے حسین پیرائے میں کہا گیا ہے اور مفہوم کو اتنی لطافت سے سامنے لایا گیا اور انسانی ذہن پر اسکے الفاظ ایسا سحر ڈالتے ہیں کہ انسان بار بار انھیں اشعار میں کھو جاتا ہے —— استعاروں اور تشبیہات کی زبان کا استعمال اشعار کے حسن کو نکھارنے میں بڑا مددگار ہوتا ہے۔ لیکن ان کو صحیح معنوں اور صحیح جگہ پر لانا بڑی مہارت کا متقاضی ہے۔ جبکہ جناب طورؔ نے اپنی نظم میں ان کا انتخاب یوں کیا کہ ہر زبان داد دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جیسے

پہنچا دیا ہے عشق نے ایسے مقام پر — اب اپنے آپ کی بھی نہیں ہے کوئی خبر
ہم رفتگانِ شوق کا دل ہے مرکزِ نظر — ہم پر ہوا یہ اُسکی عنایات کا اثر

وصفِ "علوئے فکر" سے ہم متصف ہوئے
ہم پر نہفتہ راز کھلے منکشف ہوئے

پانی سمندروں کی حدوں میں رُکا ہوا — اُسکی نظر فلک بھی زمیں پر جھکا ہوا
کب اس کی قدرتوں سے کوئی آشنا ہوا — عالم تمام دائرۂ حیرت بنا ہوا

بادل کی اوٹ سے وہ قمر جھانکنے لگا
دامانِ شب میں کون گہر ٹانکنے لگا

آئی صبا کہ غنچۂ دل کھلکھلا اُٹھا — ہر قمقمہ بسوزِ ضیاء جھلملا اُٹھا
نالہ اُٹھا نہ شور و فغاں و گلہ اُٹھا — ہلکا سا درد تھا وہی پہلو میں آ اُٹھا

آیا وہ جب سے شاہدِ معنیٰ ظہور میں
جلووں نے شعلے بھر دیے ہیں نبضِ طورؔ میں

جناب طورؔ میانہ گوندل میں اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ قدرت آپ سے مزید کچھ کام لینے کی سوچ رہی تھی ایک روز حاجی مشتاق احمد رکنانہ کے ساتھ حضور ضیاء الامت جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری مدظلہ العالی سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو حضور ضیاء الامت کی نگاہِ مردم شناس نے ان میں سے ایک ایسی شخصیت کی جھلک دیکھی جو طلباء میں فارسی ادب کو ترویج دے سکتی تھی۔ جس کا آج کے دور میں ہمارے مدارس میں بے حد فقدان ہے یہی وجہ ہے کہ آپ مدظلہ العالی نے جناب سراج الدین طور نورانی کو دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں فارسی اور اردو ادب کا استاد مقرر کر دیا اور اب ۱۹۹۲ء سے تا حال اس ادارے میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

جناب طور نورانی کا کلام کتابی شکل میں آنے سے پہلے پاک و ہند کے مختلف رسائل کی زینت بھی بن چکا ہے۔ جن میں "محفل" (لاہور)، "نیرنگ خیال" (راولپنڈی) "فاران" (کراچی)، "آداب عرض" اور "اقراء" ڈائجسٹ (لاہور) اور "ماہنامہ ۲۰ ویں صدی" (نئی دہلی)، "ماہنامہ روبی" (نئی دہلی)، "غنچۂ ہند" (کلکتہ)، ہفتہ وار "ہماری زبان" (علیگڑھ) مشہور ہیں۔ انکے علاوہ بھی متعدد رسائل و اخبارات میں آپکی

غزلیں، نظمیں، قطعات و رباعیات شائع ہوتی رہی ہیں۔ ادارے کے ماہنامہ "ضیائے حرم" میں بھی آپکی لکھی ہوئی نعتیں صفحات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

جناب طور نورانی نے ادارے میں بھی تدریس کے ساتھ ساتھ شاعری کے میدان میں اپنی پرواز جاری رکھی۔ بلکہ حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری دامت برکاتہم العالیہ کی نورانی مجالس اور خاص نظرِ عنایت نے آپ میں ایک نکھار پیدا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کلام جو پہلے مدوّن نہیں تھا اب اُسکی تدوین کا سوچا گیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ نے خداوند قدوس کی حمد و ثنا میں کہے جانے والے اشعار اور خداوند قدوس کے حبیب مکرم، نبی معظم محمد مصطفٰے، احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے حضور بطور نذرانہ عقیدت پیش کیے جانے والے اشعار کے گجروں کو کتابی شکل میں اکٹھا کیا اور اس مجموعہ کا نام "چراغِ طور" رکھا۔ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ اس کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جو اسکی اور اُسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا حق ادا کر سکے۔ لیکن پھر بھی جناب طور کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک ایک شعر عشق و مستی میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ کے یہ اشعار اس ذات بابرکات علیہ الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ آپکے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں

ترس رہا ہے زمانہ سکون و راحت کو — مگر سکون کہاں دامن نبی کے بغیر

دو سرفراز ہوا طور دونوں عالم میں — جو اپنی جان کو ختم الرسل پہ وار آیا

ہزاروں آئے رسول بن کر جہانِ فانی میں طور لیکن — شفیع محشر نہیں تھا کوئی، جنابِ خیر البشر سے پہلے

محمد کی محبت کے علاوہ — خدا کی معرفت دیوانہ پن ہے

جو ان کی یاد میں ہے طور گم سم — وہ خلوت میں سراپا انجمن ہے

سخاوت، کرم، مہربانی، شفاعت — حقیقت میں خیر البشر تم ہی تم ہو

چراغ طور کے بعد اب آپ کی نظموں اور غزلیات کا مجموعہ بنام "فیصل غم" آپکے سامنے ہے۔

اشعار میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس شعر کی زمین کتنی مشکل ہے۔ اس کا قافیہ کس انداز میں باندھا گیا ہے۔ اس میں کس کس طرح سے استعاروں کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب چیزیں بجا ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی شخص جب خود کو نمایاں کرنے کیلئے، محافل میں دوسروں سے خود کو ممتاز رکھنے کیلئے اپنے آپ کو بہتر سے بہتر طور پر سنوارے۔ اچھے سے اچھا لباس کو زیب تن کرے، لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر اس میں سیرت کی خوبصورتی نہ ہوگی تو کوئی بھی صاحب عقل نہ تو اس کی تعریف کرے گا اور نہ ہی

اس کی سنگت اختیار کرنے پر راضی ہوگا۔ اور جو ایسا کر رہا ہوگا اُس کا ساتھ بھی وقتی اور عارضی ہوگا۔ بعینہٖ اگر شعر میں مشکل سے مشکل الفاظ کا استعمال ہو، قافیوں کا جوڑ توڑ ہو، استعارے پر استعارے موجود ہوں لیکن شعر کی حقیقی روح ڈھونڈے سے نہ ملتی ہو تو وہ شعر ناقص ہی رہے گا۔ چست بندش، شوکتِ الفاظ، معنی آفرینی اور قافیہ پیمائی یہ سب ایک ملمع ہیں۔ لیکن شعر میں اصل، حقیقی کیف اور فطری شعریت ہے جو اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ اور شاعر کو صحیح معنوں میں شاعر بناتی ہے اور جناب طور کا کلام اس خوبصورتی کی واضح مثال ہے۔

ہنر والوں سے ہم نے آج تک اتنا ہنر جانا
کرن بن کر کسی گہرے سمندر میں اتر جانا

ترے غم نے مجھے پہنچا دیا فن کی بلندی پر
ترے غم کو مری بے مائیگی نے بال و پر جانا

جناب طور کی شاعری ایسی ہے کہ عام فہم اپنی کم مائیگی کے باوجود اس کے مفاہیم کو اپنی سمجھ بوجھ اور عقل کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ جبکہ اگر کوئی صاحب شعور اور صاحب ادب ان اشعار کے سمندر میں غوطہ زن ہونا چاہے تو لمحہ بہ لمحہ

ہر شعر ایک نئے رنگ میں دکھائی دے گا۔ جناب طور کی شاعری کا سادہ پن ان کی شاعری کو اور نکھارتا ہے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے۔

ایک پل کی خوشی سے بہتر ہے   زندگی غم میں ڈھال کر رکھنا
عشق ہے نعمت خداوندی   عشق کو لازوال کر رکھنا

جناب طور نے اپنے اشعار کو ایک نیا رنگ دینے کی بھی کوشش کی ہے اور ایک عام سے مضمون کو دلچسپ اور خوبصورت رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ خود ایک جگہ اس پر قلم اُٹھاتے ہیں ۔

فردِ جرم بے گناہی تھا سببِ تعزیر کا
سامنے آیا نوشتہ کاتبِ تقدیر کا

عہدِ نو میں جب بھی پایا ہے ادب کو بے لباس
طور نے پہنا دیا جامہ نیا تحریر کا

آپ کے اشعار پڑھ کر بعض اوقات انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ آپ کے کلام اور غالب کے کلام کی بعض غزلیات میں بحر اور وزن کے اعتبار سے بڑی مشابہت ہے لیکن میں یہ کہوں گا کہ شاعری میں اپنے کسی پیش رو اور شعر و ادب کے محسن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہی بہتر انداز ہوتا ہے۔ کہ انھیں پرانے اشعار

کے وزن پر کچھ اس طرح سے اشعار کہے جائیں کہ انسانی ذہن اسی شعر کے مفہوم کو بھی پالے اور پہلے شاعر کی بزرگی اور عظمت دوبالا ہو جائے۔ جیسے

جو دل اسیر حلقۂ ذوق نمود تھا
باقی پسِ حیات بھی اس کا وجود تھا

توڑا ہے تو نے میرے طلسم سکوت کو
ورنہ میرے خیال پہ گہرا جمود تھا

آپ نے جہاں زندگی کے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا ہیں آپ کے اشعار میں صوفیانہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔ جناب طور نے صرف عشق پر ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کے اور بھی بہت سے پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے۔ اکثر اشعار میں جناب طور قدرت کی رنگینیوں اور اسکے جلوؤں کی مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔

جذبۂ عشق مراقیس سے بڑھ کر نکلا
جس بھی پتھر کو تراشا تیرا پیکر نکلا

کس نے پھر توڑ دیا تیرگیِ شب کا حصار
اوڑھ کر کون یہ مہتاب کی چادر نکلا

اسی طرح آپ کے یہ اشعار سے

دیکھا جو طور پیکر باطن میں جھانک کر
عقدہ کھلا کہ اصل میں اس کا وجود تھا

اور

مجھ سے نہ پوچھ لذتِ وارفتگیٔ عشق
میں نے تو جان واردی اپنے حبیب پر

"فصیلِ غم" کے علاوہ آپکی نظموں کے دو مجموعے "آنکھ کا جگنو" اور "نوائے غم" بھی جلد ہی منظرِ عام پر آجائیں گے جبکہ اپنی رباعیات وقطعات کو بھی "رباعیاتِ طور" کے نام سے کتابی شکل میں مدون کرنے کا ارادہ ہے۔ یقیناً یہ سب کتابیں شاعری کے دلدادہ لوگوں کی لائبریریوں کی زینت بنیں گی اور اہلِ نظر کی محافل میں اپنا ایک مقام حاصل کریں گی۔

مطیع

صاحبزادہ سید مطیع قادر شاہ
آستانہ عالیہ۔ چورہ شریف

تو حجابات سے نکلا ہوتا — کاش میں نے تجھے دیکھا ہوتا
ہیں کہیں گل، کہیں سبزہ ہوتا — گر ترا نقشِ کفِ پا ہوتا!
دامنِ عشق و وفا پر میرے — نہ کوئی داغ ، نہ دھبہ ہوتا

کوئی تو ایسی جگہ بھی ہوتی — کہ جہاں دشت نہ دریا ہوتا
نہ وہاں رات کی ظلمت ہوتی — نہ وہاں دن کا اُجالا ہوتا
نہ وہاں گردشِ دوراں ہوتی — نہ وہاں رُت کا بدلنا ہوتا
نہ کسی پھول کو مرجھانے کا غم — نہ کبھی خوفِ خزاں کا ہوتا
نہ وہاں مطلعِ خورشید و قمر — نہ وہاں کوئی ستارا ہوتا
نہ وہاں دھوپ نہ سایہ نہ تھکن — نہ وہاں پیاس کا غلبہ ہوتا
نہ وہاں آگ نہ پانی نہ ہوا — نہ کوئی پست نہ بالا ہوتا
نہ دھنک رنگ نہ سرخیِ شفق — اک فقط نور کا ہالہ ہوتا
نہ وہاں شیخ و برہمن ہوتے — نہ کوئی دیر نہ کعبہ ہوتا
فکرِ دنیا بھی نہ ہوتی کوئی — اور نہ کوئی غمِ عقبیٰ ہوتا
نہ کوئی غم نہ کبھی شکوۂ غم — تو جو ہوتا ترا جلوہ ہوتا
سب حجابات نظر اُٹھ جاتے — نہ کوئی پردۂ اخفا ہوتا
شاملِ حال ہوتا مرے — وہ کرم دیکھنے والا ہوتا

طور اک حسنِ سراپا کے حضور
عشق بس مائلِ سجدہ ہوتا

چلمن کو ہٹا دینا بجلی سی گرا دینا
یہ حُسن کی فطرت ہے دیوانہ بنا دینا

اُس بت نے یہی سیکھا چاہت کا صلہ دینا
ہر چاہنے والے کو مٹی میں ملا دینا

بیتے ہُوئے لمحوں کو تم بھی نہ صدا دینا
ہم تم کو بھلا دیں گے تم ہم کو بھلا دینا

کوئل کی صداؤں سے بے چین اگر دل ہو
کچھ ضبط بھی کر لینا کچھ اشک بہا دینا

ہم اہلِ محبت کا دستور نرالا ہے!
ہنس ہنس کے ستم سہنا قاتل کو دعا دینا

تم اتنا کرم کرنا ہم عشق کے ماروں پر
بجھتے ہُوئے شعلوں کو آنچل سے ہوا دینا

یہ اپنا وطیرہ ہے دریائے محبت میں
اُمید کی کشتی کو ساحل پہ جلا دینا

اے دل یہ زمانے کی اِک ریت پُرانی ہے
دو چاہنے والوں کو جینے کی سزا دینا

اتنی سی گزارش ہے بیمارِ محبت کی
تربت پہ مری آ کر تم پھول چڑھا دینا

ہم خانہ بدوشوں کا گھر کیسا ٹھکانہ کیا
اے بادِ صبا جا کر یہ ان کو بتا دینا

اے طورِ زمانہ کیا وہ خوب، زمانہ تھا
انصاف کے طالب کا زنجیر ہلا دینا

○

ہم نے دیکھا ہے یہی اب تک مشیت کا اصول
عشق کی جھولی میں کانٹے حسن کے دامن میں پھول

اک حقیقت کا تسلسل عفو و لغزش تا ابد
ایک افسانے کا عنواں خلد میں آدم کی بھول

چرخ سے اتری زمیں پر تو کرن کو کیا ملا
ایک لمبی سی مسافت کا صلہ چہرے پہ دھول

جب کسی مفلس کی کٹیا کا دیا جل کر بجھا
اس گھڑی مجھ پہ ہوا ہے آیتِ غم کا نزول

اہلِ دنیا سے وفا کی آرزو رکھنا عبث
روشنی تاریکیوں میں ڈھونڈنا کارِ فضول

ان گنت تاروں کے خوں سے اک سحر کی ہے نمود
کار پردازِ مشیت کے نرالے ہیں اصول

طورؔ اٹھ من کی مرادیں مانگ وقتِ مستجاب
اک دعائے نیم شب سنتے ہیں ہوتی ہے قبول

○

وفا کا امتحاں دینے لگے ہیں
پتنگے اپنی جاں دینے لگے ہیں

درم آخر ثبوتِ غم ملا ہے
دیئے بجھ کر دھواں دینے لگے ہیں

نئے دھوکے نئے رستے نئے غم
امیرِ کارواں دینے لگے ہیں

مری دھرتی کو تیرے چاند سورج
اُجالے اب کہاں دینے لگے ہیں

جنوں والوں کا یہ معیارِ بخشش
زمیں کو آسماں دینے لگے ہیں

محبت کرنے والے درحقیقت
نگاہوں کو زباں دینے لگے ہیں

شعورِ فن ملا ہے جب سے ہم کو
غزل کو جسم و جاں دینے لگے ہیں

جنابِ طورؔ بت خانوں میں جاکر
صدا کیا ہے اذاں دینے لگے ہیں

✲✲

○

میں خود کو بھول جاؤں تو اس کا پتہ ملے
پردہ اُٹھے نظر سے تو وُہ آشنا ملے

ادراک یوں ہوا ترے حسن و جمال کا
پھولوں کے رنگ مجھ کو حقیقت نما ملے

سر کو جھکائے چلتا ہوں دن رات اسلئے
شاید کسی جگہ تو ترا نقشِ پا ملے

اب مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے یہ سوچ کر
مجھ کو مرے نصیب کا بے مدعا ملے

یہ کہہ رہی ہے روح بھی جسموں سے بار بار
مجھ کو مری وفاؤں کا کچھ تو صلہ ملے

سنسان راستوں پہ چلا ہوں اسی لئے
جس کی مجھے تلاش ہے وہ راستہ ملے

شامل ہو جس میں مری تمناؤں کا لہو
ہاتھوں کو تیرے کاش وہ رنگِ حنا ملے

ہم جانتے نہیں رہِ الفت کے پیچ و خم
بس اتنا جانتے ہیں کہ وُہ دلربا ملے

اِک کونج اپنی ڈار سے بچھڑی تو کہہ اٹھی
تاریکیوں میں کوئی تو روشن دیا ملے

اب تک کوئی ملا نہ غم دل سے آشنا
ملنے کو یوں تو طور کئی ہمنوا ملے

بنائے دَیر دیوارِ حرم ہے
ہر اک پتھر میں پوشیدہ صنم ہے

گدازِ عشق جس کو ہے میسر
وہ دل سارے دلوں میں محترم ہے

چھڑا کر مجھ سے دامن جانے والے
مرے دل میں ترا نقشِ قدم ہے

چلے آؤ سراپا منتظر ہوں
ابھی اٹکا ہوا آنکھوں میں دم ہے

مآلِ عشق تم کیا پوچھتے ہو
یہ دل گہوارۂ رنج و الم ہے

ہزاروں کونپلوں کو زندگی دی
وہ شاخِ سبز جس کا سر قلم ہے

خرد کی سرکشی سے ڈر رہا ہوں
جنوں کے ہاتھ میں میرا بھرم ہے

کھلا یہ رازِ اثبات و نفی سے
جو دو سانسوں میں وقفہ ہے عدم ہے

خزاں پوشیدہ فصلِ گل کے پیچھے
خوشی کے ساتھ ہی وابستہ غم ہے

نظر آتا ہے جو پانی کا چشمہ
حقیقت میں جبل کی آنکھ غم ہے

نظر آتا ہے اس میں طور سب کچھ
مرا جامِ سفالیں جامِ جم ہے

○

غم کا سورج نکال کر رکھنا   بزمِ ہستی اُجال کر رکھنا
ہر طرف پتھروں کی بارش ہے   شیشۂ دل سنبھال کر رکھنا
راہ میں ہیں بہت نشیب و فراز   ہر قدم دیکھ بھال کر رکھنا
ایک پل کی خوشی سے بہتر ہے   زندگی غم میں ڈھال کر رکھنا
عشق ہے نعمتِ خداوندی   عشق کو لازوال کر رکھنا
طورؔ غم پیار کی امانت ہے
یہ امانت سنبھال کر رکھنا

○

جیون میں غم ہو تو جیون بنتا ہے   سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے
ملتا ہے جب زخم تو خود سے کہتا ہوں   مٹی کی دیوار میں روزن بنتا ہے
اُلجھے اُلجھے تاروں کو مت پھیلاؤ   تانا بانا مل کر دامن بنتا ہے
جس دم میری آنکھیں پُرنم ہوتی ہیں   موسم کچھ بھی ہو وہ ساون بنتا ہے

نادانوں سے دانا کہتے رہتے ہیں   دانہ دانہ مل کر خرمن بنتا ہے
پھول نہ ہوں تو گلشن بھی ہے ویرانہ   پھول کھلیں تو گلشن، گلشن بنتا ہے
دانائی کی بات کہے اک دیوانہ   مَن جب اُجلا ہو تو درپن بنتا ہے
حُسن پہ شوخی آتے آتے آتی ہے   بنتے بنتے پیکر چندن بنتا ہے
طورؔ مری بے سامانی سچ کہتی ہے
بن تنکے کب کوئی نشیمن بنتا ہے

○

تری قربت مری تقدیر جیسے   سہانے خواب کی تعبیر جیسے
مغنّی یہ تری لئے تیرا نغمہ   ہوا کے دوش پر تنویر جیسے
چکوری چاند سے مت دل لگی کر   لگے گی آگ دل میں تیر جیسے
کسی زخمی پرندے کا لہو ہے   خلاؤں میں کوئی تحریر جیسے
جکڑ جاتے ہیں اس رشتے میں سارے   محبت ہے کوئی زنجیر جیسے
بہانہ بن گئی ہے رت جگے کا   کسی کی موہنی تصویر جیسے

یہ دنیا کربلا سے کم نہیں ہے
یہاں مظلوم ہیں شبیر جیسے

ہماری سعی لاحاصل کا حاصل
الجھ کر رہ گئی تدبیر جیسے

کسی کے ہاتھ میں سونا بھی مٹی
کسی کی خاکِ پا اکسیر جیسے

تری فرقت میں دل کا حال یہ ہے
تڑپتا ہے کوئی نخچیر جیسے

پتہ دیتی ہے ویرانی نظر کی
کسی کا غم ہے دامن گیر جیسے

پلٹ آیا ہے کوئی جاتے جاتے
در آئی آہ میں تاثیر جیسے

وہ جلوے یوں سمٹ آئے نظر میں
ہوئی ہے چاندنی تسخیر جیسے

کلی کا کھلنا کِھل کر پھول بننا
کسی کے حسن کی تفسیر جیسے

مجھے یوں دیکھتے ہیں اہلِ دنیا
کہ میں ہوں لائقِ تعزیر جیسے

ہوا شاعر نہ کوئی میرؔ جیسا
ہوئے ہیں لوگ پیدا میرؔ جیسے

کسی کا طورؔ ملنا اور بچھڑنا
یہ ہے دستورِ دار و گیر جیسے

☆☆

بے وقعت سا میں اک ذرہ کرنیں اس کے پاس
میرا اس کا ناطہ کیا وہ روپ نگر کا چاند

اس بت پر جب آئی جوانی طور کھلا یہ بھید
غنچہ کِھل کر پھول بنا اور چاند کا ٹکڑا چاند

○

اب بھی صحرا میں صدائے عشق ہے
جذبۂ صادق بنائے عشق ہے

ہم پہ احسانِ خدائے عشق ہے
ہم غریبوں کو دعائے عشق ہے

عشق کی رفعت کو پہنچا ہے کوئی
کہکشاں بھی زیرِ پائے عشق ہے

زندگی کا ارتقا پابندِ سال
تا قیامت ارتقائے عشق ہے

عشق کا رشتہ بھی دل سے استوار
دل کی دھڑکن بھی برائے عشق ہے

دل میں جو پیدا کرے سوز و گداز
درحقیقت وہ نوائے عشق ہے

عشق سے دنیا میں کس کو ہے مفر
ذرہ ذرہ مبتلائے عشق ہے

جس کے بال و پر فلک پیما صفت
شاخِ دل پر وہ ہمائے عشق ہے

شوق و مستی کیف و مدہوشی بجا   جاں نثاری بھی ادائے عشق ہے

طورؔ اس کو دردِ دل کا کیا پتہ
وہ ابھی نا آشنائے عشق ہے

○

اب کے انسان میں اخلاص کا پیدا ہونا   جیسے خوابوں میں نظر آئے سویرا ہونا
مکتبِ عشق میں بیٹھے تو ہوا یہ معلوم   درسِ اول ہے یہاں خونِ تمنا ہونا
بن گئی آنکھ کی پتلی ترے رخسار کا تل   کیا قیامت ہے ترا حسن سراپا ہونا
پیکرِ حسن کوئی جب بھی در آیا دل میں   یاد آیا مجھے کعبہ میں بتوں کا ہونا
شمع پر جان پتنگے نے اسی واسطے دی   اس کی غیرت کو گوارا نہیں رسوا ہونا
دردِ دل اور بڑھا دردِ جگر اور بڑھا   کام آیا نہ مرے اس کا مسیحا ہونا
ذرہ ذرہ میں نظر آئے گا صحرا کا وجود   شرطِ اول ہے فقط دیدۂ بینا ہونا

تختۂ دار مری صدق بیانی کا صلہ
طورؔ مہنگا پڑا اس دور میں سچا ہونا

✿✿

○

ہنر والوں سے ہم نے آج تک اتنا ہنر جانا
کرن بن کر کسی گہرے سمندر میں اتر جانا

جو تارا ٹوٹ کر چمکا اسے ہم نے گجر جانا
اجل ہے گردشِ ایام کی حد سے گزر جانا

نہ ہم ٹھہرے نہ ہم نے مڑ کے پیچھے کی طرف دیکھا
جو منزل بھی نظر آئی اسے گردِ سفر جانا

یہ دنیا دارِ فانی ہے یہاں کوئی نہیں ٹھہرا
تجھے بھی اک نہ اک دن لوٹ کر ہے اپنے گھر جانا

نہ تھی موجوں میں طغیانی نہ لہروں میں تلاطم تھا
مگر کشتی جہاں ڈوبی اسے ہم نے بھنور جانا

یہ دنیا تو مکافاتِ عمل دارالعمل بھی ہے
یہی کچھ سوچ کر بہتر ہے اچھے کام کر جانا

زمانہ اس کے قدموں میں گرا دنیا جھکی در پر
یہاں کانٹے کو جس نے پھول پتھر کو گہر جانا

پتہ دیتی ہے تیری برہمی اس بات کا جیسے
کسی بھی چڑھتے دریا کا یقینی ہے اُتر جانا

ترے جلوے میں خوشبو کی لپٹ محسوس کی جب سے
ترے پیکر کو گل چہرے کو صد رشکِ قمر جانا

ترے غم نے مجھے پہنچا دیا فن کی بلندی پر
ترے غم کو مری بے مایگی نے بال و پر جانا

پتنگے کا مآلِ زندگی اور عشق اتنا ہے
طوافِ شمع کرنا اور خاموشی سے مر جانا

یہاں جس سے بھی پوچھا ہم نے اس نے یہ کہا ہم سے
نہیں معلوم آئے ہیں کہاں سے ہے کدھر جانا

اسی کے دامنِ بے مدعا کو بھر دیا تو نے
وہی اچھا رہا جس نے دعا کو بے اثر جانا

کھلا ہے طورؔ یہ عقدہ خرد کی حیلہ بازی سے
جنوں کے واسطے مشکل نہیں ہے دار پر جانا

○

جذبۂ عشق مرا قیس سے بڑھ کر نکلا — جس بھی پتھر کو تراشا ترا پیکر نکلا
میری رگ رگ میں سمائی تری چاہت کی مہک — لمحہ لمحہ تری یادوں کا معطر نکلا
کس نے پھر توڑ دیا تیرگیٔ شب کا حصار — اوڑھ کر کون یہ مہتاب کی چادر نکلا
غور جب میں نے کیا یہ دُرِ شہوار ہے کیا — سیپ سے سمٹا ہوا ایک سمندر نکلا
پردۂ غیب سے ظاہر ہوئی نیکی و بدی — جب کھلا پھول تو کانٹا بھی برابر نکلا
میں نہ مانوں گا قیامت میں خدا کو بھی خدا — محتسب مرا اگر داورِ محشر نکلا

طورؔ یہ اس کا کرم ہے کہ ترا ذوقِ طلب
حسن جو پردۂ اسرار سے باہر نکلا

○

پتھر کا جگر سینکڑوں جھرنوں کا امیں ہے
یہ ظرف کسی شیشۂ نازک میں نہیں ہے

جسدن سے ترا پیار مرے دل کے قریں ہے
اُسدن سے کوئی خواہش دنیا ہے نہ دیں ہے

روشن ہے مرا جس سے شبستانِ محبت
وہ چاند کا ٹکڑا تو نہیں پھر بھی حسیں ہے

اسکی نگۂ مست کا یہ بھی ہے کرشمہ
اب دل میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

فطرت کے مناظر تو بہت خوب ہیں لیکن
اک تو جو نہیں ساتھ تو دل میرا حزیں ہے

ہر ایک ثمردار شجر عجز کا پیکر!
ہر صاحبِ فن صاحبِ دل خاک نشیں ہے

جس دن سے ملا چاند کی مٹی کا تبرک
پستی کا مکیں اوجِ ثریا کا مکیں ہے

بوتا ہوں جہاں فکر اگاتا ہوں جہاں فن
تودہ نہیں مٹی کا وہ کاغذ کی زمیں ہے

اے طورؔ مرا محورِ فن پیار کا مرکز
اک غنچہ دہن شعلہ بدن زہرہ جبیں ہے

○

محبت کرنے والوں کی کرے حق بھی پزیرائی
نہ اِس دنیا میں رسوائی نہ اُس دنیا میں رسوا

سکھاتا ہے مریضِ غم کو آئینِ شکیبائی
نرالا ہے مرے قاتل کا اندازِ مسیحائی

کوئی دیوانہ رو رو کر یہ کہتا ہے دمِ آخر
ہے جبتک آنکھ کی پتلی میں وہ باقی ہے بینائی

وفورِ غم میں کیسا ضبط کیسا حوصلہ یارو
کسی کی یاد جب آئی تو میری آنکھ بھر آئی

بجز اسکے مری قسمت میں سب کچھ لکھ دیا تو نے
ہجومِ غم نوائے سوزِ دل اور شامِ تنہائی

یہ شاموں کے اندھیروں میں بلندی سے اترتا ہے
ہراساں چاند کو کرتی نہیں پانی کی گہرائی

دھنک نکلی فضا نکھری سماں بدلا کلی چٹکی
نگارِ حسن نے صحنِ چمن میں لی جو انگڑائی

ہو جس دیوانگی میں بوئے اسرارِ خداوندی
اسی دیوانگی سے منکشف ہے رازِ دانائی

نوازا طورؔ کو جلووں سے اپنے شاہِ خوباں نے
غریبِ شہر کی اللہ رے یہ عزت افزائی

○

پھول سی کومل جوانی چاند سا مکھڑا ترا
آئینے حیرت زدہ ہیں دیکھ کر جلوہ ترا

شام کے اس ملگجے سائے میں اے جانِ غزل
سر مرا زانو ترا آنکھیں مری چہرہ ترا

تیری ان زلفوں کی چھب سے آشنا شامِ اودھ
صورتِ صبحِ بنارس ہے رخِ زیبا ترا

تیرے ہر نقشِ قدم سے سینۂ لالہ میں داغ　　رشک سے کبکِ دری دیکھا کرے چلنا ترا
نشۂ مے سے عبارت سرمگیں آنکھیں تری　　اور ہم رنگِ شفق عارض ترے جلوہ ترا
گوشِ دل سے طائرانِ خوش نوا سننے لگے
طور اس نے جب بھی چھیڑا ہے کوئی نغمہ ترا

○

اذنِ کلام ہو تو کوئی گفتگو کروں　　تجھ کو طلب کروں کہ تری آرزو کروں
اس اہتمام سے میں تری جستجو کروں　　ہر داغِ دل کو مشعلِ صد رنگ و بو کروں
آئینۂ خیال میں تیرا ہی عکس ہے　　آئینۂ خیال ترے رو بہ رو کروں؟
واقف نہیں ہے رازِ محبت سے تو ابھی　　آ! تجھ کو آشنائے غمِ آرزو کروں
اب حسن و عشق میں نہ رہے کوئی امتیاز　　تو مجھ کو ڈھونڈ اور میں تری جستجو کروں
صبح و مسا ہو جلوت و خلوت ہو جو بھی ہو　　میں تیرا ذکر جب بھی کروں باوضو کروں
تو میرے کنجِ دل میں فروکش ہے اور میں　　از فرش تا بہ عرش تری جستجو کروں
جوشِ جنوں نے اتنی اڑائی ہیں دھجیاں　　دامن کو اپنے طور کہاں تک رفو کروں

○

نظر بھر کر اسے دیکھا نہ جائے　　زمیں کا چاند ہے گہنا نہ جائے
دلِ ناداں سے یہ سودا نہ جائے　　اُسے بھولوں مگر بھولا نہ جائے
اسی ڈر سے اسے چھوتا نہیں ہوں　　وہ نازک پھول ہے مرجھا نہ جائے
اسے کیسے سناؤں حالِ دل میں　　وُہ جب ہو سامنے بولا نہ جائے
کسوٹی پر زرِ خالص سمجھ کر　　اسے پرکھوں مگر پرکھا نہ جائے
صدا بہتے ہوئے دریا کی یہ ہے　　کنارے سے کوئی پیاسا نہ جائے
جو تو سوچے کہ یہ کچا گھڑا ہے　　کسی دریا میں پھر اترا نہ جائے
پڑے ہیں آبلے پائے نگہ میں　　کہیں جلوہ نظر کو کھا نہ جائے
کشش ایسی ہے مجنوں کی لحد کی　　وہاں سے ناقۂ لیلیٰ نہ جائے
جہاں بھی شمع روشن ہو وفا کی　　اسی محفل میں یہ پروانہ جائے
محبت میں جو مرنا زندگی ہے
تو پھر اے طور کچھ سوچا نہ جائے

○

اک تری یاد کا سہارا ہے — ورنہ جینا کسے گوارا ہے

اپنے دامن کو بچائے رکھنا — مرا ہر اشکِ غم شرارا ہے

تم سے شکوہ نہ گلہ ہے کوئی — مجھ کو میری خودی نے مارا ہے

مُڑ کے ماضی کو اس لیے دیکھا — تو نے شاید مجھے پکارا ہے

عشق کی وہ بساط ہے جس پر — کوئی جیتا ہے کوئی ہارا ہے

بُجھ گئے آس کے دیے لیکن — یاد کا ضو فشاں ستارا ہے

آپ کو جس نے مجھ سے دور کیا — تیز رو وقت کا وہ دھارا ہے

ہم نے اپنے لہو کے چھینٹوں سے — گلشنِ عشق کو نکھارا ہے

تم کو بخشی ہے سیج پھولوں کی — ہم نے کانٹوں پہ دن گزارا ہے

تم کو جینا ہے طورؔ مر مر کے
اُن کی آنکھوں کا یہ اشارہ ہے

وہ داغِ بے رخی دھونے لگے ہیں — مری حالت پہ اب رونے لگے ہیں

محبت دل میں گھر کرنے لگی ہے — خیالوں میں وہ گُم ہونے لگے ہیں

زمیں کے چاند کو دیکھا ہے جب سے — ستارے روشنی کھونے لگے ہیں

ملے ہیں جب سے دو بچھڑے ہوئے دل — نئے شکوے گلے ہونے لگے ہیں

اگائیں گے نیا سورج زمیں سے — ابھی تو روشنی بونے لگے ہیں

شبانی کا جنہیں منصب ملا ہے — وہ لمبی تان کر سونے لگے ہیں

اُلجھ جائیں گے کل خود ان کے دامن — جو کانٹے راہ میں بونے لگے ہیں

ترستی تھی نظر اے طورؔ جن کو
وہ جلوے عام اب ہونے لگے ہیں

○

درِ خلوت وہ میرے روبرو ہے — زباں چپ ہے نظر سے گفتگو ہے

یہ دل کا آئینہ ٹوٹے تو سمجھو — جو آنسو ہے شکستِ آرزو ہے

ترا قامت قیامت سے نہیں کم — ترے قامت کا چرچا کو بہ کو ہے
محبت زندگی کا ماحصل ہے — محبت زندگی کی آبرو ہے
نگاہوں میں ترے جلوے ہیں جب سے — جدھر میں دیکھتا ہوں تو ہی تو ہے
کوئی اتنا تو سمجھا دے گلوں پر — یہ شبنم ہے کہ تاروں کا لہو ہے

ہماری زندگی کا طورؔ مقصد
کسی کا غم کسی کی جستجو ہے

یہ زمانے کو بنانا چاہیے — آگ سے دامن بچانا چاہیے
غیر کیا خود آگہی کے واسطے — آدمی کو اک زمانہ چاہیے
دوسروں کو آزمانے کے لئے — پہلے خود کو آزمانا چاہیے
منصفی میزانِ زر میں تُل گئی — انقلاب اک اور آنا چاہیے
پھول کانٹوں میں گھرا پھر بھی کھلا — رنج و غم میں مسکرانا چاہیے
ہے تقاضا وقت کا انسان کو — خوابِ غفلت سے جگانا چاہیے

آئینے میں بال آجائے اگر — سب کی نظروں سے چھپانا چاہیے

طورؔ منزل تک پہنچنے کے لئے
عشق کو رہبر بنانا چاہیے

وہ یاد آگئے آنکھ تر ہو گئی — شبِ غم سمٹ کر سحر ہو گئی
اِدھر ملتفت وہ نظر ہو گئی — مری بے خودی معتبر ہو گئی
خلافِ توقع وہ جب آگئے — خلافِ توقع سحر ہو گئی
تبسم کی ان کے لبوں پر کرن — جو سمٹی تو رشکِ قمر ہو گئی

اچٹتی ہوئی طورؔ ان کی نظر
مداوائے دردِ جگر ہو گئی

محبت مصدرِ خوئے رحیمی — محبت واقفِ ذاتِ حریمی

محبت سے گدازِ قلبِ عالم
محبت فطرتاً بادِ نسیمی

نہیں ہے رہبریٔ خضر سے کم
جنونِ عشق میں عقلِ سلیمی

ہر اک فرعون کو ہے تازیانہ
عصائے موسوی ضربِ کلیمی

پہاڑوں کو بھی کر دے ریزہ ریزہ
دلوں میں ہو اگر عزمِ صمیمی

گزرنا آگ کے دریا سے ہنس کر
ہے اہلِ عشق کی رسمِ قدیمی

سنوارا طور کو تیرے کرم نے
ہیں صدقے اے ترے شانِ کریمی

○

فلک آئینۂ خاور دکھائے
„درختوں سے گرے گہرا کے سائے"

کرن نے انگنت موتی بٹورے
فلک نے انگنت موتی لٹائے

گجر بجنے لگا کلیاں بھی چٹکیں
پرندے ٹہنیوں پر چہچہائے

عروسانِ چمن کا روپ نکھرا
سحر دم پھول شبنم سے نہائے

شباب اس گلبدن کا ایسا چھلکا
کوئی کومل سروں میں جیسے گائے

تری بھرپور انگڑائی جو دیکھی
فرشتوں کے قدم بھی ڈگمگائے

ہمارا جذبۂ بے اختیاری
نگارِ حسن کو بے کل بنائے

ہماری بے زبانی رنگ لائی
کنول دل کا کھلا وہ مسکرائے

محبت ایسا اک افسانۂ دل
خموشی کی زباں جس کو سنائے

گھرے ہیں خار میں پھر بھی کھلے ہیں
گلوں کی یہ ادا جینا سکھائے

نئی تہذیب کے مارے ہوئے لوگ
بلندی دیکھ کر پستی میں آئے

ہماری طورؔ یہ کوشش رہی ہے
غزل میں میرؔ کا انداز آئے

○

سب جانے پہچانے لوگ
ہم سے ہیں بیگانے لوگ

شہروں میں دیوانے لوگ
ماضی کے افسانے لوگ

شمعِ وفا پر مرتے ہیں
ہم جیسے پروانے لوگ

کر جاتے ہیں بے کل من
شعلہ بدن انجانے لوگ

حسن کے در پر بیٹھے ہیں   جانوں کے نذرانے لوگ
عشق کے دعوے دار بنے   چاہت سے بیگانے لوگ
ہم کو پلاتے ہیں اکثر   آنکھوں کے پیمانے لوگ
ہم کو دیکھ کے دہرائیں   پیار بھرے افسانے لوگ
ناصح بن کر آئے ہیں   ہم کو کچھ سمجھانے لوگ
ہم کو لوگو مت چھیڑو   ہم ٹھہرے دیوانے لوگ
طورؔ جنوں کی راہوں میں
بھٹکے ہیں فرزانے لوگ

○

ہر پھول کے ہے پاس خوشبو   ہر پھول کا لباس خوشبو
پردے میں حسن لاکھ پنہاں   جلوے کا اقتباس خوشبو
اس گل بدن سے جا کے لپٹی   اس کی ادا شناس خوشبو
دھرتی کی کوکھ میں نہاں گل   مٹی کی ہے اساس خوشبو

منہ پھیر کے جو چل دیئے تم   گلشن میں ہے اداس خوشبو
میرا مزاج آبگینہ —   میرا ہر اک قیاس خوشبو
پھرتی ہے ہوکے باؤلی سی   اُس بت کے آس پاس خوشبو
وہ مل گیا ہے طورؔ جب سے
آئی ہے دل کو راس خوشبو

○

دے گئی درسِ بیخودی خوشبو   اس کو دیکھا لپٹ گئی خوشبو
اس کی قربت سے یہ ہوا محسوس   چاند ہے پھول چاندنی خوشبو
آپ کے گیسوؤں کے سائے میں   زندگی پھول زندگی خوشبو
میری تربت پہ کس نے پھول رکھا   یہ مجھے بھی بتا گئی خوشبو
کذب ہے خونِ جامۂ یوسف   عشق کا ذوقِ آگہی خوشبو
جذبۂ صدق سے پہنچتی ہے   آسماں پر زمین کی خوشبو
پھول مرجھا گئے گلستاں کے   تازہ اب تک مگر رہی خوشبو

اپنے اپنے خیال کا گلشن — اپنے اپنے یقین کی خوشبو
تیرے نقشِ قدم کی دھول بنی — صحنِ گلشن میں پھول کی خوشبو
روح کو طور کر گئی روشن
درحقیقت ہے روشنی خوشبو

○

جنوں چلا ہے خلائیں کھنگا لینے کے لئے
خرد کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے لئے
سمٹ گیا ہے سمندر بھی ایک قطرہ میں
خود اپنے آپ کو موتی میں ڈھالنے کے لئے
زمانہ ہاتھ میں کشکول لے کے آیا ہے
کسی غریب کو مشکل میں ڈالنے کے لئے
صدائے حق کی ابھی گونج ہے فضاؤں میں
یقین و عزم کی دُنیا اجالنے کے لئے

یہ کس نے پھول کے پہلو میں رکھ دیئے کانٹے
خود اپنے دل سے خلش کو نکالنے کے لئے
کس اہتمام سے نکلے ہیں آج دیوانے
ہوس کے پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے لئے
کوئی قدم تو اٹھائے کوئی تو آگے بڑھے
حصارِ شب سے سحر کو نکالنے کے لئے
لپک رہی ہیں نشیمن پہ بجلیاں کب سے
گھٹی گھٹی سی فضائیں اجالنے کے لئے
کلی کلی نے چنا طور موسمِ گل میں
سبک جو شاخ نظر آئی پالنے کے لئے

○

رہبر کوئی جگنو دیپ نہ تارا تک — چلتے چلتے بھول گیا ہوں رستہ تک
نیا کوئی گھر کوئی دیوار نہ در — میں ہوں تنہا کوئی نہیں ہمسایہ تک

کس کی یاد نے غم سے ناطہ جوڑا ہے — دل کی وحشت لے آئی ہے صحرا تک
جس سورج پر ناز تھا ہم دیوانوں کو — اس سورج نے چھین لیا ہے سایہ تک
پل دو پل کے ساتھ میں شکوہ کیا معنیٰ — وقت پڑے تو ساتھ نہ دے خود سایہ تک
ڈھلتے ڈھلتے طورؔ ہماری عمر ڈھلی
جلتے جلتے راکھ ہوا انگارہ تک

○

سر پہ تھا جو سائبان اٹھنے لگا — آشیانے سے دُھواں اُٹھنے لگا
پھر کوئی مٹنے لگا نقشِ وجود — پھر غبارِ کارواں اُٹھنے لگا
کیوں ہواؤں میں تمازت آگئی — کون یہ آتش بجاں اُٹھنے لگا
عشق کا احسان ہے دل سے مرے — خوفِ ہر سود و زیاں اُٹھنے لگا
چاہتیں بھی ختم اب ہونے لگیں — اعتبارِ دوستاں اُٹھنے لگا
کیوں نہ بھٹکیں لوگ رستے کہ اب — ہر کوئی منزل نشاں اُٹھنے لگا

کیا کسی شعلہ بدن سے مَس ہُوئی — برف کی سِل سے دُھواں اُٹھنے لگا
طورؔ اس کو دیکھنے کی دیر تھی
پردۂ وہم و گماں اُٹھنے لگا

○

وہ ایک پات جو برکھا کی یاد میں گم ہے — شجر سے ٹوٹ کے گرداب باد میں گم ہے
ترے وجود کی گرمی بتا رہی ہے مجھے — ترا وجود لہو کے فساد میں گم ہے
وہ جس کو ناز تھا اپنی وفا شعاری پر — وہ اپنے قول و عمل کے تضاد میں گم ہے
زمیں پہ کس کا لہو گر کے بن گیا سورج — نظر لہو کے اسی انجماد میں گم ہے
دیارِ سنگ میں ہم نے بنایا شیش محل — ہمارا ظرف ابھی اعتماد میں گم ہے
نہ چھیڑ طورؔ ابھی داستانِ ظلم و ستم
فقیہہِ شہر ابھی اجتہاد میں گم ہے

✿✿

○

نہ چھیڑ نکہتِ فصلِ بہار آ کے مجھے	کہ ابتداء میں ملے غم بھی انتہا کے مجھے
خرد نے لوٹ لیا راستہ دکھا کے مجھے	یہ کس مقام پہ چھوڑا جنوں نے لا کے مجھے
اسی کا نام محبت کہیں نہ ہو شاید	کسی کی یاد نے تڑپا دیا ہے آ کے مجھے
ستم تو پھر بھی ستم ہے مگر کرم بھی ترا	قدم قدم پہ رہا خاک میں ملا کے مجھے
کسی پہ رازِ محبت نہ آج کھل جائے	وہ دیکھتے ہیں سرِ بزم مسکرا کے مجھے

عدم کے راز سے میرا وجود واقف ہے
عدم نے طورؔ رکھا تھا کبھی چھپا کے مجھے

○

تا بکے علم و یقیں وہم و گماں تک دیکھوں	لوحِ محفوظ پہ دیباچۂ جاں تک دیکھوں
از ازل تا بہ ابد ایک ہی عنوانِ حیات	تو ہی بتلا کہ یہ عنوان کہاں تک دیکھوں
پیار کا کوئی تو دھندلا سا نشاں مل جائے	میں ذرا جا کے سرِ کوئے بتاں تک دیکھوں
تیرا مسکن ہے جہاں تیرا ٹھکانہ ہے جہاں	کوئی زینہ کوئی رستہ نہ وہاں تک دیکھوں

اب تو موسم کے تفاوت کو سمجھنے کے لئے	تیرا تیور ترے ابرو کی کماں تک دیکھوں
تو مجھے بھول گیا گردشِ ایام کے ساتھ	میں تو دل میں ترے قدموں کے نشاں تک دیکھوں
اپنی سانسوں میں ترے پیار کی خوشبو لے کر	میں خزاں میں بھی بہاروں کا سماں تک دیکھوں

جب بھی اُترا ہے کوئی شعلہ بدن پانی میں
طورؔ اٹھتا ہوا پانی سے دھُواں تک دیکھوں

○

دل مرا وصل کے رنگین زمانے ڈھونڈے	اس سے ملنے کو سدا لاکھ بہانے ڈھونڈے
جب سے دیکھا ہے اسے میں نے سرِ بزمِ خیال	جاگتی آنکھ مری خواب سہانے ڈھونڈے
پھر مرے دل میں سمایا ہے یہ سودا کیسا	اس کے ہونٹوں پہ محبت کے ترانے ڈھونڈے
وہ نہ سمجھا ہے نہ سمجھے گا محبت کیا ہے!	جو کتابوں میں محبت کے فسانے ڈھونڈے
مردِ دانا سے کوئی اتنا تو پوچھے جا کر	بے ٹھکانوں کے کوئی کیسے ٹھکانے ڈھونڈے

طورؔ آیا وہ مسیحائی کی خاطر لیکن
کون اب اس کے لئے زخم پرانے ڈھونڈے

☆☆

اگر ہو دامنِ دل غم سے مملو — خوشی میں بھی نکل پڑتے ہیں آنسو
وہ حسنِ دل نشیں دیکھا ہے جب سے — کسی صورت نہیں ہے دل پہ قابو
یہ غمزے ہیں کسی پردہ نشیں کے — سہانی رُت دھنک پھولوں کی خوشبو
بنا دیتا ہے دیوانہ ہر اک کو — کسی کی سرمگیں آنکھوں کا جادو
زمانہ ہے محبت ہی سے روشن — اجالا ہے اسی سورج کا ہر سو
مرا ذوقِ طلب کیا پوچھتے ہو — مرا ذوقِ طلب اک عُربدہ جو
لکھا دیکھا ہے برگِ گل پہ ہم نے — فریبِ زندگی کا نام خوشبو
تذبذب میں ہوں میں جاؤں کدھر کو — مرے پیچھے ازل ہے سامنے تو

لہو گردش میں ہے تو زندگی ہے
سکوتِ مرگ ورنہ طور ہر سو

کس بات پہ روٹھے ہو رنجش کیوں بلا کی ہے
اتنا تو بتا جاؤ کیا ہم نے خطا کی ہے

قدموں کے نشاں اُن کے چومے ہیں نگاہوں نے
یہ رسمِ محبت ہے جو ہم نے ادا کی ہے

خوشیوں سے نہ مر جائے بیمار کہ اک بُت نے
بالیں پہ کھڑے ہو کہ جینے کی دُعا کی ہے

دنیا تیری پھونکوں سے ہرگز نہ بجھے گی یہ
اس دل میں جو روشن ہے وہ شمع وفا کی ہے

رو رو کے یہ کہتا ہے ارمان بھرا ہر دل
مفلس کی جوانی ہے یا آگ چتا کی ہے

دانہ وہی اُگتا ہے جو خاک میں ملتا ہے
اُلفت میں فنا ہونا تمہید بقا کی ہے
آکاش کے ماتھے کا جو چاند بنا جھومر
وہ شوخ کرن اُن کے نقشِ کفِ پا کی ہے
جب ہم نے کہا اس سے دن رات تڑپتے ہیں
اُس نے یہ کہا سن کر مرضی یہ خدا کی ہے
اس دور تصنّع میں سچ جس سے کہا ہم نے
ہم سے وہی نالاں ہے ہم سے وہی شاکی ہے
اے طورؔ غریبوں کو ہم جیسے فقیروں کو
اک پیار کی دولت ہے جو اس نے عطا کی ہے

اتنا بھی التفات نہ کر مجھ غریب پر
میں مر نہ جاؤں رشک سے اپنے نصیب پر
اپنا سمجھ کے ہم تے اسے رازِ دل کہا
ہم کو تو راز داں کا گماں تھا رقیب پر
آنکھوں میں اشک آنے لگے دیکھ کر مجھے
ہوتے لگا اثر مرے غم کا طبیب پر
مجھ سے نہ پوچھ لذتِ وارفتگیٔ عشق
میں نے تو جان واردی اپنے حبیب پر
سانچے میں غم کے ڈھل گئے نغمے نشاط کے
رُت کا اثر ہوا جو دلِ عندلیب پر

درسِ رہائی ہے کسی مرغِ اسیر کو
اڑ اڑ کے آ رہے ہیں قفس کے قریب پر

دامانِ پارسائی کی تر دامنی تو دیکھ!
دھبے شراب کے ہیں قبائے خطیب پر

سمٹی ہوئی ہے چاندنی بادل کی اوٹ میں
پھیلا ہوا ہے طائرِ شب کا مہیب پر

میرے خلوص کا مجھے ایسا صلہ ملا
لٹکا ہوا ہوں طورؔ غموں کی صلیب پر

اب خوشی سے نہ کچھ لطفِ پیہم سے ہے
عشق زندہ مرا نسبت غم سے ہے

آپ کی یاد ہر دم مداوائے غم
جیسے تسکینِ دل ابنِ مریم سے ہے

کالی کالی گھٹا جھکی فضا
آپ کی عنبریں زلفِ برہم سے ہے

یوں تری یاد سے دل شگفتہ مرا
پھول میں تازگی جیسے شبنم سے ہے

پھول کلیاں بہاریں گھٹا چاندنی
یہ سہانا سماں آپ کے دم سے ہے

شامِ ہجراں ستاروں میں تابندگی
دل کے داغوں سے ہے دیدۂ نم سے ہے

آپ کے پیار میں آپ کی یاد میں
لاتعلق یہ دل سارے عالم سے ہے

طورؔ جانے ہے یہ بھید سارا جہاں
عشق کی آبرو ضبطِ پیہم سے ہے

○

حجابِ ناز اٹھاؤ تو کوئی بات کروں
ذرا قریب جو آؤ تو کوئی بات کروں

بہت اداس بڑا بے قرار رہتا ہوں
نجاتِ غم سے دلاؤ تو کوئی بات کروں

طویل رات کا پھیلا ہوا اندھیرا ہے
چراغِ حسن جلاؤ تو کوئی بات کروں

بلندیوں سے صدا دے رہے ہو چھپ چھپ کر
نظر کے سامنے آؤ تو کوئی بات کروں

غموں کی آگ نے جھلسا دیا وجود مرا
لگی جو دل کی بجھاؤ تو کوئی بات کروں

بھٹک رہا ہوں میں تنہائیوں کے صحرا میں
مجھے بھی راہ دکھاؤ تو کوئی بات کروں

تمہارے ہجر نے پہروں مجھے رُلایا ہے
نویدِ وصل سناؤ تو کوئی بات کروں

سما گئے ہو گلوں میں حسیں نظاروں میں
مرے بھی دل میں سماؤ تو کوئی بات کروں

چراغِ صبح کی لَو اب تو تھرتھرا اُٹھی
قریبِ مرگ ہوں آؤ تو کوئی بات کروں

وہ کہہ رہے ہیں مری داستانِ غم سن کر
دُکھوں کو اپنے چھپاؤ تو کوئی بات کروں

وُہ مجھ سے طورِ اشاروں میں کہہ رہے ہیں یہی
غزل میں رنگ جماؤ تو کوئی بات کروں

کہنہ روایتوں کی جہاں میں نفی نہ کر
جلتے ہوئے دیئے نہ بُجھا تیرگی نہ کر

ہر شخص کا مزاج الگ ظرف بھی جُدا
یہ جان اور کسی سے کبھی دل لگی نہ کر

یہ تو بدلتی رُت ہے کہاں اس کا اعتبار
تو حسنِ بے وفا پہ بھروسہ کبھی نہ کر

اپنی رفاقتوں سے وفا کا ثبوت دے
میزانِ زر میں تُل کے مری منصفی نہ کر

لازم ہے دوستی کے لئے جذبۂ خلوص
دل میں نہ ہو خلوص تو پھر دوستی نہ کر

ٹوٹی جو شاخ پیڑ سے وُہ سُوکھ کر رہی
تو بھی مری طرح کوئی دیوانگی نہ کر

دشمن بھی تیرے سامنے آئے تو پھر بھی طَور
تو جذبۂ خلوص میں کوئی کمی نہ کر

اُن کے چہرے سے پردہ ہٹا ہے
صبح کا نور بکھرا چلا ہے

عکس تیرا کہیں ہم کہ کیا ہے
سایہ خود آئینہ بن گیا ہے

اک تبسم تکلم سے پہلے
ہم نے غنچہ دکھا کر کہا ہے

تلخیٔ غم میں بھی مسکرانا
کتنا دشوار یہ مرحلہ ہے

کیسا احساس تنہائی اے دل
اس کی یادوں کا اک سلسلہ ہے

طورؔ اس نے نظر جب سے پھیری
اعتبارِ وفا اُٹھ گیا ہے

رات بھر دیدۂ خونبار نے سونے نہ دیا
عشق کے جذبۂ بیدار نے سونے نہ دیا

حلقۂ گیسوئے خمدار نے سونے نہ دیا
ہم اسیروں کو ترے پیار نے سونے نہ دیا

ہم تو سلجھاتے رہے گیسوئے ہستی لیکن
ہم کو اُلجھے ہوئے افکار نے سونے نہ دیا

آبلے پاؤں کے آمادۂ راحت جو ہوئے
عشق کے جادۂ پُر خار نے سونے نہ دیا

آپ کی ایک جھلک ہم نے جو دیکھی تھی کبھی
عمر بھر حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ہم بگولوں کی طرح دشت کی جانب نکلے
وحشت آگیں یہ دلِ زار نے سونے نہ دیا

اب تو آرام سے سوتے ہیں لحد میں آکر
عمر بھر مونس و غمخوار نے سونے نہ دیا

طورِ شامِ غمِ ہجراں کا فسانہ ہے یہی
"نالۂ مرغِ گرفتار نے سونے نہ دیا"

کیسی یہ غمخواری ہے — زخموں سے خوں جاری ہے
ہجر کا عالم کیا کہئے — راتوں کی بیداری ہے
اب بھی دل میں ان کی یاد — راکھ تلے چنگاری ہے
ان کو پا کر کھو بیٹھے — جیتی بازی ہاری ہے
دنیا کے سب روگوں میں — عشق بڑی بیماری ہے
تجھ بن اپنے آپ سے اب — الجھن ہے بیزاری ہے
وُہ ایسے میں آئے جب — موت کا سکتہ طاری ہے
ان سے کوئی یہ کہہ دے — رات کسی پر بھاری ہے
عشق و وفا کی دنیا میں — مجبوری مختاری ہے
آنکھوں کے پیمانے ہیں — آنکھوں سے میخواری ہے
ان کے سب دیوانے ہیں — ان کی صورت پیاری ہے

بچھڑا ہے وہ جس دن سے   اپنی غموں سے یاری ہے
طورؔ غزل جب اس نے سنی
اتنا کہا معیاری ہے

○

پیار کی آبرو دنیا میں بڑھائے رکھنا   آتشِ عشق کو سینے میں دبائے رکھنا
لوگ افسانہ حقیقت کا بنا دیتے ہیں   تم حقیقت کو حقیقت ہی بنائے رکھنا
جانے کس وقت مرا لوٹ کے آنا ہو جائے   اپنی چوکھٹ پہ سدا دیپ جلائے رکھنا
کتنا معصوم تھا مٹی کے گھروندوں کا وہ کھیل   تم بھی مٹی کا گھروندا سا بنائے رکھنا
ساتھ بیتے ہوئے لمحے جو کبھی یاد آئیں   اپنی پلکوں پہ ستاروں کو سجائے رکھنا
آتشِ عشق سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
طورؔ ہر دم یہی احساس جگائے رکھنا

٭٭

○

افسانۂ حیات کا یہ اقتباس ہے!
دل ہے اگر اداس تو دنیا اداس ہے
سنگی مجسمہ کا مقدر تو دیکھئے
اس کے بدن پہ کانچ کا نازک لباس ہے
ہم نے کسی کی یاد میں خود کو بھلا دیا
ہم کو کسی کی یاد کا اتنا تو پاس ہے
بچھڑے ہوئے تو اس کو زمانہ گزر گیا
لیکن یہ دل کہ آج بھی پابندِ آس ہے
ہے جس کا دل گداز محبت کی آنچ سے
وہ جانتا ہے عشق غموں کی اساس ہے

اس کی نظر میں ہیچ ہیں دنیا کے غم جو دل
سوزِ غمِ حبیب کا لذت شناس ہے

شاید کہ وہ بھی میرے لئے مضطرب سا ہو
بے تاب دودِ شمع پہ میرا قیاس ہے

جامِ فنا سے بجھ تو گئی دل کی تشنگی
لیکن نگاہِ باز میں جلووں کی پیاس ہے

اپنی نگاہِ مست کا صدقہ بس ایک جام
اس کے حضور طورؔ یہی التماس ہے

زندگی بتانے کا یہ اصول بہتر ہے — پاؤں اتنے پھیلائے جسکی جتنی چادر ہے
کوئی آئے فرزانہ اور اتنا سمجھائے — سیپ میں ہے موتی یا قید میں سمندر ہے
آنکھ جس جگہ ٹھہرے دل کو جو لبھا جائے — وہ سماں سہانا ہے وہ حسین منظر ہے
روشن و معطر ہے اس کے دم سے میرا دل — چاند جس کا پرتو ہے پھول جس کا پیکر ہے
پھول اس کے دامن میں خار میری جھولی میں — وہ بھی اک مقدر ہے یہ بھی اک مقدر ہے
عشق مصدرِ غم ہے اور عشق کا عالم — وحشتوں کے صحرا میں آگ کا سمندر ہے

طورؔ آتشِ غم میں جل رہا ہوں برسوں سے
مجھ سے بے خبر لیکن اب بھی وہ ستمگر ہے

ہر کلی کو ہے آرزو تیری — پھول کرتے ہیں گفتگو تیری
پیرہن سے ترے چرا لائی — موجِ بادِ بہار بو تیری
ہم فقیروں میں پائی جاتی ہے — شانِ اہلِ وفا کی خو تیری

پھر مرے دل کو کر گئی بیتاب — ایک تصویر ہو بہ ہو تیری
ہے رگِ جاں سے تو قریب مگر — ہم کو پھر بھی ہے جستجو تیری
تیرے رخ سے الٹ دی کس نے نقاب — مچ گئی دھوم چار سو تیری
ہم نے اے طورؔ اتنا دیکھا ہے
اہلِ فن میں ہے آبرو تیری

○

اس کے رُخ پر چاہت کی رنگینی ہے — جنگلی پھُول میں خوشبو بھینی بھینی ہے
زنجیروں سے کھیل رہا ہے دیوانہ — کچھ تو ہونا ہے یہ بات یقینی ہے
ایسے میں اب یاد کسی کی کیا کہئے ! — صحرا ہے خلوت ہے خاک نشینی ہے
ہم تو دل میں درد چھپائے پھرتے ہیں — ہم سے کس نے کب یہ دولت چھینی ہے
باغ کے سارے پھول بھی توڑے کلیاں بھی — مالی تیری کیسی یہ گل چینی ہے
سن کے پیار کی باتیں وہ ہے برہم سا — آنکھوں کا انداز مگر تحسینی ہے

اس نے جاتے جاتے مڑ مڑ دیکھا ہو — بات یہ ناممکن ہے غیر یقینی ہے
ہم نے سندر مکھڑوں والے دیکھے طورؔ
راہزنوں کے چہروں پر مسکینی ہے

○

نکہت کہوں کہ بادِ صبا سوچتا رہا — وہ آ کے چل دئے میں کھڑا سوچتا رہا
بچھڑا وہ ایسا مجھ سے کہ اب تک نہیں ملا — کیا ہو گئی جنوں میں خطا سوچتا رہا
شاداب پیڑ سے جو گرا ٹوٹ کے وہ پات — کیا بات کہہ گیا میں کھڑا سوچتا رہا
کیسے مٹے گی بھوک کٹے گی یہ کیسے رات — مفلس تمام دن کا تھکا سوچتا رہا
اک کونج اپنی ڈار سے کیونکر بچھڑ گئی — میں یہ فصیلِ غم پہ کھڑا سوچتا رہا
وہ مجھ پہ جس نے تنگ کیا عرصۂ حیات — میں اس کے واسطے بھی بھلا سوچتا رہا
اپنوں نے دوستی کے حوالے سے کی جو بات — میں ایسی دوستی پہ بڑا سوچتا رہا
اس کے بغیر طورؔ میں زندہ ہوں کس طرح
ہر اِک قدم پہ رُک کے ذرا سوچتا رہا

✡✡

کچھ اس ادا سے آپ سنورتے چلے گئے
آنکھوں کی راہ دل میں اترتے چلے گئے

گہری سیاہ آپ کی چتون کی جھیل میں
ڈوبے کچھ ایسے ہم کہ اُبھرنے چلے گئے

اے حسنِ لاجواب تجھے کچھ خبر نہیں
تری طلب میں ہم تو بکھرتے چلے گئے

کچھ ان کی بے رُخی بھی توجہ طلب رہی
کچھ ہم بھی بے خودی میں گزرتے چلے گئے

مُرجھا کے غنچے رہ گئے کھلنے کی آس میں
کانٹوں کے بخت تھے کہ سنورنے چلے گئے

زندہ ہے ہم سے نامِ وفا ان کی بزم میں
الزام بے وفائی جو دھرتے چلے گئے

شامِ وصال شامِ جدائی میں ڈھل گئی
وعدوں سے اپنے جب وہ مکرتے چلے گئے

خونِ جگر جو ہم نے غزل میں سمو دیا
اشعار تھے کہ اور نکھرتے چلے گئے

موتی کی جستجو میں کرن بن کے طور ہم
گہرے سمندروں میں اترتے چلے گئے

○

وارفتگیٔ قلب جنوں خیز ہو گئی
بجھتے ہوئے چراغ کی لَو تیز ہو گئی

گرمیٔ آفتابِ جنوں تیز ہو گئی
کشتِ حیات اور بھی زرخیز ہو گئی

پہلے تو دشمنوں کے بھی دل میں خلوص تھا
اب دوستی بھی مصلحت آمیز ہو گئی

یہ کون آ گیا ہے گلستاں کی سیر کو
ہر پھول کی مہک طرب انگیز ہو گئی

نشہ شرابِ عشق کا جب تیز ہو گیا
دیوانگی بھی اور بلا خیز ہو گئی

اے طورؔ چشمِ یار کے قربان جائیے
خالی صراحی جو بھی تھی لبریز ہو گئی

○

کس کی آواز دل میں در آئی
بے خودی پھر سے ء دکر آئی

اک جھلک آپ کی نظر آئی
آرزوئے نگاہ بر آئی

اُس پہ ہم اس لئے ہوئے قرباں
موت میں زندگی نظر آئی

عہدِ ماضی جو سامنے آیا
شدتِ غم سے آنکھ بھر آئی

زخم کی آنکھ سے لہو ٹپکا
جب طبیعت سکون پر آئی

کچھ لکیریں جو کھینچ دی ہیں نے
ایک تصویر سی اُبھر آئی

طورؔ اس نے جو غم دیئے ہم کو
زندگی اور بھی نکھر آئی

○

پیار کا جوگ لئے اس کی طلب میں نکلے
ہم تو درویش ہیں درویشوں کی چھب میں نکلے

ذوقِ دیدار میں آنکھوں کے پھپھولے پھوٹے
ہم اسے دیکھنے جب شہرِ طرب میں نکلے

شیشۂ دل ہے کہ جلوؤں کو کرے گا معکوس
چاند پہلے تو کوئی خانۂ شب میں نکلے

دیکھئے طورؔ وہ کس کس پہ قیامت ڈھائیں
ان کے ماتھے پہ شکن ہے وہ غضب میں نکلے

☆☆

ہم سے بھولے سے تری یاد بھلائی نہ گئی — آتشِ عشق وہ بھڑکی کہ بجھائی نہ گئی

جل بجھے کتنے دیئے روزنِ مژگاں پہ مگر — زندگی بیت گئی شامِ جدائی نہ گئی

چارہ سازوں سے مرے غم کا مداوا نہ ہوا — اس کی تصویر کسی سے بھی بنائی نہ گئی

راکھ بکھری ہے پتنگے کی فضا میں لیکن — خاکِ وحشت کسی صحرا میں سمائی نہ گئی

جیتے جی ہم نے کئے لاکھ جتن طور مگر
ہم سے روٹھی ہوئی تقدیر منائی نہ گئی

میں ہوں آئینہ دکھا حسنِ بے مثال مجھے — بکھر نہ جاؤں کہیں ٹوٹ کر سنبھال مجھے

اسیرِ تیرہ شبی ہوں یہ ہے ملال مجھے — فلک سے شوخ کرن بن کے آ اجال مجھے

تمام عمر بسر کی ہے تیری قربت میں — ہوا نہ پھر بھی میسر ترا وصال مجھے

غموں کی آگ میں تپ کر بنا ہوں میں کندن — بسوزِ عشق یہ حاصل ہوا کمال مجھے

مرے نصیب کی دیکھے سکندری کوئی — ملا ہے در سے ترے عشقِ لازوال مجھے

بس اتنا یاد آئے میں نے ٹوٹ کر چاہا — تمام رات جگائے یہی خیال مجھے

جو قربتوں سے مزین رہے بچھڑنے تک — عزیز تر ہیں وہ ماضی کے چند سال مجھے

یہ بدگمانیٔ قلب و نظر نہیں تو کیا — ان آئینوں میں نظر آ رہا ہے بال مجھے

مرا وجود ہے موتی مرا وطن قلزم — نکال تہہ سے مجھے موجِ غم اچھال مجھے

ہر ایک ذرے کے دل میں اترتا جاؤں گا — تو آفتاب کے سانچے میں آ کے ڈھال مجھے

میں مشتِ خاک بھی خاکسترِ محبت بھی — نہیں ہے سود و زیاں کا کچھ احتمال مجھے

جو اس کی شان میں لکھ کر اسے سنائی غزل — کہا یہ اس نے سنا اپنے دل کا حال مجھے

نہ مسکرا کے سرِ بزم دیکھ میری طرف — مزید اب کسی الجھن میں تو نہ ڈال مجھے

جدائیوں میں بھی احساس قرب ہے مضمر — مرا خیال اسے اس کا بھی خیال مجھے

مرا نباہ زمانے سے طور ناممکن
چلا رہا ہے زمانہ جو الٹی چال مجھے

موتی ہوں اور کنجِ صدف کا اسیر ہوں — گہرے سمندروں میں رہائش پذیر ہوں

نکلا ہوں گھر سے آج میں اپنی تلاش میں　　بیٹھا ہوں راستے میں مگر راہ گیر ہوں
جب سے ملی ہے دولتِ صبر و رضا مجھے　　دل کا غنی ہوں خاک نشیں ہوں فقیر ہوں
مانا گنہگار بھی ہوں مئے پرست بھی　　لیکن خدا گواہ کہ میں باضمیر ہوں

رنگِ خلوص بوئے وفا طوؔر مجھ میں ہے
اس واسطے کہ پیار نگر کا سفیر ہوں

○

سوادِ شام کا سایہ نہیں ہے　　کہ اپنا بھی کوئی اپنا نہیں ہے
دیارِ عشق میں ایسا نہیں ہے　　جو دیوانہ تو ہے رسوا نہیں ہے
سمندر ہو کے تو محتاجِ دریا　　تری فطرت کو یہ زیبا نہیں ہے
یہ کیسا آگیا ہے موسمِ گل　　درختوں پر کوئی پتہ نہیں ہے
کہاں جائے مسافر کیا کرے اب　　کوئی منزل کوئی رستہ نہیں ہے
سمٹ آیا ترا جلوہ نظر میں　　مگر ہم نے تجھے دیکھا نہیں ہے
زمیں ڈوبی ہوئی ہے تیرگی میں　　فلک پر بھی کوئی تارا نہیں ہے

ہر اک ذرے میں ہے پوشیدہ صحرا　　ہر اک ذرہ مگر صحرا نہیں ہے

وہ جلوہ طورِ سینا پر ہے اب بھی
مگر کوئی نظر والا نہیں ہے

○

دیپک راگ سنانے والے دیکھے ہیں　　من میں آگ لگانے والے دیکھے ہیں
ان کے نین نشیلے نرمل کومل سے　　ہم نے بھاگ جگانے والے دیکھے ہیں
ساون رُت کچھ ایسا منظر لائی ہے　　صحرا جھاگ اڑانے والے دیکھے ہیں
حال میں ماضی یاد دلانے والے بھی　　غم کے ناگ ڈسانے والے دیکھے ہیں
جلتی آگ بجھانے والے کم دیکھے　　گھر گھر آگ لگانے والے دیکھے ہیں
دل والوں کو کہتے ہیں جو دیوانے　　ایسے گھاگ زمانے والے دیکھے ہیں
لمبی زلفیں پھول سے عارض سرو قداں　　جیون تیاگ کرانے والے دیکھے ہیں

دریا تو دریا ہے لیکن ہم نے طوؔر
ساحل آگ لگانے والے دیکھے ہیں

✿✿

دامنِ دل بھگوئے جاتے ہیں
ہم تو ہنس ہنس کے رُوئے جاتے ہیں
جو کسی کے بھی کام نہ آ سکیں
وُہ سفینے ڈبوئے جاتے ہیں
طورؔ ہم نکہتِ وفا بن کر
اپنے مرکز سے کھوئے جاتے ہیں

"دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے"

"فیض احمد فیض"

غنچے تمام آپ کے قدموں میں وار کے
اب دن بھی جا رہے ہیں چمن سے بہار کے
اپنی ہی بازگشت فضا میں سنائی دی
دیکھا ہے ہم نے بارہا ان کو پکار کے
جس دن سے آپ روٹھ کے ہم سے چلے گئے
اس دن سے گویا روٹھ گئے دن بہار کے
کب آئیگا وہ وعدہ شکن کچھ نہ پوچھیے
کب ختم ہوں گے دیکھیے دن انتظار کے

ان کی آنکھوں میں جو چاہت کے اشارے ہوتے
ہم غریبوں کو بھی جینے کے سہارے ہوتے

کیا بگڑتا جو اگر آپ ہمارے ہوتے
ہم بھی بگڑی ہوئی تقدیر سنوارے ہوتے

بازیٔ عشق اگر جیت کے ہارے ہوتے
ان کے دامن میں بجز پھول شرارے ہوتے

وارنے آپ پر آکاش سے لاتا میں بھی
دسترس میں جو مرے چاند ستارے ہوتے

ہو کے بے تاب چلے آتے وہ چلمن کے قریب
ان کی چوکھٹ پہ جو ہم درد کے مارے ہوتے

کاش آتے وہ اگر پاس مریضِ غم کے
چاندنی رات کے کچھ اور نظارے ہوتے

طورؔ پروانہ صفت ان کا اشارا پاکر
دل تو کیا چیز ہے ہم جان بھی وارے ہوتے

منت کشِ تیشہ ہو جہاں عشقِ جنوں ساز
ہے میرے لئے عشق وہ اِک نقطۂ آغاز

تدبیر سے سنتے ہیں نکل آتی ہیں راہیں
اے مُرغِ گرفتار دکھا جرأتِ پرواز

اس پردۂ در سے ہے عیاں جنبشِ بے تاب
جس دن سے کئے ہم نے وہ جلوے نظر انداز

آئینِ وفا شیوۂ عشاق رہا ہے
اس جورِ مسلسل کی قسم اے بتِ طناز

یوں آہ اُٹھی طورؔ مرے سوختہ دل سے
جیسے کسی شعلہ کی لپک مائل پرواز

پڑھتا ہوں تصور میں خیالات تمہارے
آنکھوں میں مچلتے ہوئے جذبات تمہارے

ہونٹوں پہ ہنسی آنکھ میں حالات کا شکوہ
الجھے ہوئے ایسے ہیں سوالات تمہارے

بے چین مجھے رکھتی ہے اک یاد تمہاری
گزرے ہیں کہو کیسے یہ دن رات تمہارے

مانا کہ زمانے کے رواجوں کے ہیں پابند
اے جانِ غزل، آج کے حالات تمہارے

پھر بننے لگے ہیں مری ہستی کا سہارا
اظہارِ محبت کے اشارات تمہارے

رس گھول رہے ہیں مرے کانوں میں ابھی تک
وہ کیف میں ڈوبے ہوئے نغمات تمہارے

وہ میری نگاہوں کے سوالوں کو سمجھکر
اقرارِ محبت کے جوابات تمہارے

غزلوں کو مری غور سے دیکھو تو ملیں گے
الفاظ کے پردے میں اشارات تمہارے

اے طور کو لوگوں کو بتادو کہ جہاں میں
وابستہ عمل سے ہیں مکافات تمہارے

تمہارے گیسوئے شب تاب کا جس وقت خم نکلا
ہلالِ نو تمہارے حسن کی کھا کر قسم نکلا

تبسم سے تمہارے ایسا دریائے کرم نکلا
بس اتنا ہم نے دیکھا دیکھنے والوں کا دم نکلا

حرم تعمیر کرتا ہوں تو بن جاتا ہے بتخانہ
تراشا جس بھی پتھر کو نہاں اس سے صنم نکلا

عجب حسنِ تغافل میں ہے رازِ دلبری پنہاں
ستم سمجھے کرم نکلا، کرم سمجھے ستم نکلا

ترے چشمِ کرم کی ساقیا معجز نمائی ہے
مرا جامِ سفالیں بھی حریفِ جامِ جم نکلا

وہ اک آنسو کا قطرہ جو دمِ تحریر ٹپکا تھا
کہ برسوں بعد جب کاغذ وہ کھولا ہم نے نم نکلا

ترے حسنِ سراپا کا بیاں ممکن نہیں ہم سے
چمن میں جو کھلا گل وہ ترا نقشِ قدم نکلا

گری تھی طور پر بجلی تمہارے حسنِ پنہاں کی
مگر دل کا ہر ارمان پھر بھی کم سے کم نکلا

آتشِ فرقت میں ہم شام و سحر جلنے لگے
داغِ دل جلنے لگے، زخمِ جگر جلنے لگے

نوکِ سوزن سے حباب اندر شرر جلنے لگے
آبلۂ پا سے چراغِ رہگزر جلنے لگے

اس کے پنچھی نے جب دل میں بنایا آشیاں
میرے سوزِ غم سے اس کے بال و پر جلنے لگے

وقت کا سورج بھی آتشِ بار کچھ ایسا ہوا
جتنے سایہ دار تھے، سارے شجر جلنے لگے

نفرتوں کے بیج کس نے اس زمیں میں بو دیے
آگ یہ کس نے لگائی، گھر کے گھر جلنے لگے

جب سے میرے ساتھ وہ زہرہ جبیں چلنے لگا
اس جہاں کے لوگ ہم کو دیکھ کر جلنے لگے

طور اربابِ ہنر میں تیری عزت دیکھ کر
ہم نے یہ دیکھا کہ سارے بے ہنر جلنے لگے

نظر کو اب شرفِ دیدار ایسا بھی حاصل ہے
ہماری آنکھ کی پتلی ترے رخسار کا تل ہے

کوئی دیوانۂ الفت کہ پابندِ سلاسل ہے
شناور کیلئے ہر حلقۂ امواج ساحل ہے

ہمیشہ ہم رہے ہیں کاروانِ عشق کے پیچھے
ہماری زندگی کیا ہے غبارِ راہِ منزل ہے

دیارِ عشق میں ایسا سکوتِ مرگ ہے طاری
نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ ناقہ ہے نہ محمل ہے

تمہارے ہاتھ میں مہندی کی سرخی خود بتائے گی
حنا کے سبز پتوں میں ہمارا خون شامل ہے

سرِ مقتل سرودِ بےخودی میں گم ہے دیوانہ
جفا کی تیغ دستِ نازنیں میں ہے رقصِ بسمل ہے

کبھی وہ ہے وفا پیکر، کبھی وہ ہے ستم پرور
سمجھ میں یہ نہ آیا وہ مسیحا ہے کہ قاتل ہے

بھٹکتا پھر رہا ہے، کاروانِ زندگی میرا
یہ وہ دشتِ جنوں ہے جسمیں رستہ ہے نہ منزل ہے

ستم میں بھی کرم پنہاں کرم میں بھی ستم پنہاں
اسی انداز سے میری طرف وہ شوخ اہل ہے

نہ بدلا ہے نہ بدلے گا مزاجِ عشق اس دل کا
اسیرِ زلفِ پیچاں آج بھی اے طور یہ دل ہے

پیار کا یہ دستور نرالا آنکھ مندھی بیدار گئے
مرنے والے جیت گئے ہیں جینے والے ہار گئے

رت ہے خزاں کی دل پر چھائی آنکھیں ساون بھادوں ہیں
روٹھ کے جانے والے ساتھی سات سمندر پار گئے

عہد محبت کرنے والے یہ منظر بھی دیکھ ذرا
شمع کی لو پر آئے پتنگے رقص کیا جاں وار گئے

رم جھم رم جھم بارش نے پھر بھڑکائی ہے من کی آگ
اس اگنی میں اتنے جلے ہم جیون کے آثار گئے

ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں اُن کو چاروں اُور زمانے میں
دل کے جن سے ناطے تھے وہ آج کہاں غم خوار گئے

ہم نے جن کی چھاؤں میں اپنے دکھ سکھ کے دن کاٹے تھے
طور یہ دیکھا وقت کے ہاتھوں پیڑ وہ سایہ دار گئے

زمانے بھر میں وہی میرا ہمنوا ہوگا
وہ دل جو دردِ محبت سے آشنا ہوگا

جو ہم میں پیکر اخلاص و باوفا ہوگا
وہی طریقِ محبت کا رہنما ہوگا

وفورِ شوق میں سر جس جگہ جھکا ہوگا
وہاں ضرور کوئی تیرا نقشِ پا ہوگا

ترے جمال کا اتنا اثر ہوا ہوگا!
جبینِ گل پہ پسینہ سا آگیا ہوگا

قدم قدم پہ شگوفے دکھائی دیتے ہیں
ذرا سی دیر کوئی اس جگہ پہ رکا ہوگا

ہے عطر بیز نسیم سحر کا ہر جھونکا
دریچہ باغِ ارم کا کھلا ہوا ہوگا

یہی تو سوچ کے سائل کوئی نہیں آیا
بجز دعائیں فقیروں کے پاس کیا ہوگا

ہماری آبلہ پائی بھی گل کھلائے گی
ہمارے ساتھ بہاروں کا قافلہ ہوگا

مرے خیال کی تائید تو کرے نہ کرے
ترے شباب کی تمہید آئینہ ہوگا

شب دراز کی زلفوں سے کھیلنے والو!
کوئی چراغ نہ روشن ہوا تو کیا ہوگا

زمانہ ہاتھ میں کشکول لے کے آیا ہے
کسی سے میری سخاوت کا سُن لیا ہوگا

کلی بہ فرطِ خوشی کھل اُٹھی گلاب کی
پیام بادِ صبا نے کوئی دیا ہوگا

انا پرست ہے وہ کم سخن، کم آمیز
"وہ اک بات میں ہر بات کہہ گیا ہوگا"

ابھی تو طور ہے فصلِ بہار کی آمد
بھری بہار میں زخمِ جگر ہرا ہوگا

اے حُسنِ جفا پیشہ اے نرگسِ مستانہ
سوغات ہے آہوں کی اشکوں کا ہے نذرانہ

وہ سامنے بیٹھے ہیں اِک جرأتِ رندانہ
اے ذوقِ طلب بن جا چھلکا ہوا پیمانہ

فیضانِ محبت ہے میں خود سے ہوں بیگانہ
اِک اُن کا تصور ہے اور گوشۂ ویرانہ

سر میں نے رکھا ان کے قدموں میں سرِ محفل
وہ کہتے رہے یہ تو دیوانہ ہے دیوانہ

دنیا نے حقیقت کا افسانہ بنا ڈالا
تُم بھی نہ بنا دینا اس پیار کا افسانہ

اِک اُن کی محبت نے یہ جوگ دیا ہم کو
کشکول ہے ہاتھوں میں انداز فقیرانہ

یہ عشق کا عالم ہے اے شمع تری لَو کو
اُڑ اُڑ کے لپٹتی ہے خاکسترِ پروانہ

اِک دستِ خلیلی سے تعمیر جو ہوتا ہے
کعبہ ہے وہی کعبہ جُز اس کے ہے بتخانہ

اسرارِ محبت کے پھر تجھ پہ کھلیں کیونکر
فطرت تری ہرجائی دل تیرا صنم خانہ

ہم رندِ بلانوشاں جائیں تو کہاں جائیں
ساقی ہے نہ بادہ ہے ساغر ہے نہ میخانہ

انجامِ محبت کا کس کس کو بتاؤں میں
دل طور مرا جیسے ٹوٹا ہوا پیمانہ

جو بھی دل داغدار ہوتے ہیں / حاصل بزمِ یار ہوتے ہیں
جو سدا بے قرار ہوتے ہیں / پیکرِ انتظار ہوتے ہیں
تیرے دیوانے اے حریم ناز / حسن کا شاہکار ہوتے ہیں
دیدۂ نم لئے شکستہ دل / محرمِ کوئے یار ہوتے ہیں
عاشقوں کو حقیر مت سمجھو / یہ بڑے ذی وقار ہوتے ہیں
ان کو دیکھا نہیں کبھی لیکن / ان کے جلوے ہزار ہوتے ہیں
میری آنکھوں میں اب تو شام و سحر / دل کے غم آشکار ہوتے ہیں
باغِ ہستی میں روزِ اول سے / پھول ہوتے ہیں خار ہوتے ہیں
اُن کے ہوتے ہیں جیتے جی جو لوگ / مظہرِ کردگار ہوتے ہیں
طورؔ ہم لے کے سوزِ پروانہ / حسن پر جاں نثار ہوتے ہیں

رنگ فطرت بدلتی رہتی ہے / شام نغموں میں ڈھلتی رہتی ہے
جب سے دیکھا ہے انکے جلوے کو / حسرتِ دل مچلتی رہتی ہے
فطرتِ عشق وصل ہو کہ فراق / بیخودی میں یہ ڈھلتی رہتی ہے
عشق جب سے ہوا مکینِ دل / آہ دل سے نکلتی رہتی ہے
جب بھی ڈھلتا ہے پیکرِ خورشید / موجِ دریا اُچھلتی رہتی ہے
ان کی آنکھوں کے زاوئیے سے مرے / دل کی دنیا بدلتی رہتی ہے
جب سے آئی ہے ان کو چھو کے صبا / چال مستانہ چلتی رہتی ہے
چرخ پر چاند کے نکلتے ہی / ہر کرن مئے میں ڈھلتی رہتی ہے
اک پتنگے کی یاد میں رو کر / رات بھر شمع جلتی رہتی ہے

صبح دم طورؔ ذوقِ دید لئے
ہر کلی آنکھ ملتی رہتی ہے

دل میں پوشیدہ کسی کی یاد ہے
یہ خرابہ عشق سے آباد ہے

حسنِ باطن دیکھ ظاہر پر نہ جا
بے ثمر کہتے ہیں سب شمشاد ہے

آتی جاتی سانس کا کیا اعتبار
زندگی کی کیا کوئی میعاد ہے

کونج بچھڑی جب سے اپنی ڈار سے
اس کا نغمہ نالہ و فریاد ہے

اس کی آنکھوں میں وفا کی ہے جھلک
ہر ادا لیکن ستم ایجاد ہے

دل شکستہ، آنکھ نم، چہرہ اداس
مختصر یہ عشق کی روداد ہے

طور اس نے کر کے زلفوں کا اسیر
یہ کہا ہم سے کہ جا آزاد ہے

میرے دل کو کسی کے عشق نے وہ درد بخشا ہے
نہ بدنامی کا ڈر ہے اور نہ رسوائی کا خدشہ ہے

نہ کوئی اس سے رشتہ ہے نہ کوئی اس سے ناطہ ہے
مگر اس کے لیے دل ہے کہ روز و شب تڑپتا ہے

یہ کیسی کشمکش میں کر دیا ہے مبتلا اُس نے
چراغِ آرزو دل میں جلتا ہے نہ بُجھتا ہے

بظاہر میں سمندر کی طرح خاموش رہتا ہوں
مگر دل میں مرے جذبات کا طوفان برپا ہے

ترا جانا، ترا آنا، ترا مِل کر نہیں ملنا
محبت کی نظر میں یہ حقیقت ہے نہ سپنا ہے

کبھی منہ پھیرنا نظریں چرانا مسکرا دینا
ہمارا حالِ دل اس پر مخفی ہے نہ افشا ہے

کہیں پھر بڑھ نہ جائے آنسوؤں کی اور طغیانی
ہمارے ضبطِ دل نے آنسوؤں کو روک رکھا ہے

اسے اپنا تو کہہ سکتا ہوں پر اپنا نہیں سکتا
یہی وہ مسئلہ جس نے مجھے الجھن میں ڈالا ہے

کسی کی یاد میں دیوانگی حد سے بڑھی جب بھی
بڑی مشکل سے میں نے طور اپنا دل سنبھالا ہے

دنیا کا دستور نرالہ — کانٹوں کو پھولوں کی مالا
مدھم، مدھم، پھیکا پھیکا — چندا تیرا کیسا ہالہ

ساحل سے جب چند قدم تھے — موجوں نے کشتی کو اچھالا
بھول گئے ہیں کون تھا ہم کو — دردِ محبت دینے والا

آگ کو جو گلزار بنا دے — سب سے اچھا وہ رکھوالا
رسنے لگا ہے خونِ تمنا — پھوٹ گیا ہے دل کا چھالا

ہنجاروں کا حال نہ پوچھو — ہنجاروں کا رب رکھوالا
سب سے اچھی پیار کی دولت — سب سے اچھا من کا اجالا

راز کو افشا کر دیتا ہے — خاموشی کا لب پر تالا
ہر منظر کو کھا جاتا ہے — گھور اندھیرا آنکھ کا جالا

سب سے اونچا پیار کا پربت — اُس کے آگے رائی ہمالہ
اسلی ذات کے کتنے مسکن — گرجا کعبہ۔ دیر شوالہ

طور جگر کا خون پلا کر
ہم نے پیار کا بوٹا پالا

خونِ حسرت کے سوا کیا دیتا — میں تجھے رنگِ حنا کیا دیتا
راکھ کے ڈھیر میں رکھا کیا ہے — کوئی آنچل سے ہوا کیا دیتا
مجھ سے کیا مانگنے سائل آیا — میں تہی دست بھلا کیا دیتا
مجھ کو معلوم نہیں قاضیٔ وقت — جرمِ الفت کی سزا کیا دیتا

دیکھنا یہ ہے مسیحا نے ہمیں — درد بخشا، تو دوا کیا دیتا
جس کا پیشہ ہی جفا کرنا ہے — وہ وفاؤں کا صلہ کیا دیتا
دولتِ عشق عطا کی رب نے — کوئی بندہ یہ بھلا کیا دیتا
غم زمانے نے دیا ہے ہم کو — یہ ہمیں اس کے سوا کیا دیتا

طور محبوب کے در پر آ کر
کوئی گونگا تھا صدا کیا دیتا

غزل

جب نہ کوئی بھی شناسا آیا
شومیٔ بخت یہ رونا آیا

تیری چوکھٹ کا طلب گار تھا میں
میری تقدیر میں صحرا آیا

تھی مسیحائی کی جس سے امید
درد دینے وہ مسیحا آیا

میں نے تالاب میں کنکر پھینکا
ٹھہرے پانی کو مچلنا آیا

تشنگی اُس کی بجھے گی کیسے؟
لبِ دریا سے جو پیاسا آیا

دیکھ کر آبلہ پائی میری
رہگزاروں کو بھی رونا آیا

صبح دم بادِ صبا کے ہاتھوں
اُس کے آنے کا سندیسہ آیا

چھٹ گئی تیرگی سورج نکلا
آنکھ میں دن کا اجالا آیا

جب لیا نام کسی نے تیرا
میرے ماتھے پہ پسینہ آیا

کوئی خوشبو جو ادھر سے گزری
میں یہ سمجھا کوئی اپنا آیا

کس نے دستک درِ احساس پہ دی
طورؔ یہ کون چھلاوا آیا

جب لہو آگ میں ڈھلتے دیکھا
زنجیر کے حلقوں کو پگھلتے دیکھا

گرتے ہوئے لوگوں کو سنبھلتے دیکھا
بجھ کر بھی کسی دیپ کو جلتے دیکھا

مشرق سے ابھرتا ہوا سورج ہم نے
راتوں کی سیاہی کو نگلتے دیکھا

اے وادیٔ کشمیر نظر نے میری!
چشموں سے ترے خون ابلتے دیکھا

دشمن کا جگر کر دیا چھلنی چھلنی
وہ تیر جو پیکاں سے نکلتے دیکھا

دن رات شہادت کی طلب میں ہر دل
جس رنگ میں دیکھا ہے مچلتے دیکھا

پیکرِ عزم و وفا کے آگے!
طوفان ہے کیا موت کو ٹلتے دیکھا

حریت کی اسی انمول کرن کو ہم نے
سورج میں نہیں خوں میں پلتے دیکھا

مرنے والے میں تڑپ طورؔ ہے آزادی کی
جو گرا خون زمیں پر وہ اچھلتے دیکھا

طرح علامہ محمد اقبال :- بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

محبت کا ایسا صلہ چاہتا ہوں
وفا کر رہا ہوں، وفا چاہتا ہوں

مرا حوصلہ دیکھ کیا چاہتا ہوں
ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

خطا کر رہا ہوں، عطا چاہتا ہوں
ترے لطف کا آسرا چاہتا ہوں

میں تجھ سے تجھے مانگنا چاہتا ہوں
"بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں"

کٹی عمر ساری اسی آرزو میں
تجھے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں

تڑپ کر مروں تیرے قدموں میں آکے
میں پروانے جیسی قضا چاہتا ہوں

نہیں ہوں نگاہِ توجہ کے قابل
مگر تیرے رخ کی ضیاء چاہتا ہوں

ترے نقشِ پا، ماہ و خورشید و انجم
میں دل میں ترا نقشِ پا چاہتا ہوں

ترا عکس اس میں سجانے کی خاطر
میں دل صورتِ آئینہ چاہتا ہوں

خدا نے کیا ہے مجھے عدل عطا وہ
عدو کے بھی حق میں دعا چاہتا ہوں

دلِ طور کو جو ملا تیرے در سے
اسی درد کی میں دوا چاہتا ہوں

وقت کے سمندر میں کون یہ اتر آیا
مر کے زندگی پائی ڈوب کر ابھر آیا

آئینوں کی بستی میں پتھروں کے سوداگر
یہ تضاد یہ منظر ہر طرف نظر آیا

روشنی کا چہرہ بھی گرد سے اٹا دیکھا
قافلہ بگولوں کا جب نگر نگر آیا

اب کوئی مسافر بھی راستہ نہ بھٹکے گا
تیرگی کے سینے پر میں چراغ دھر آیا

زخم کو کریدا ہے درد کو بڑھایا ہے
اپنی بدنصیبی سے جو بھی چارہ گر آیا

وقت کی تمازت سے دوریٔ مسافت سے
ہم نے جس کو دیکھا وہ مضمحل نظر آیا

رُت کا آخری پتّہ ٹوٹ کر گرا جب سے
بے لباس پیڑوں کا سلسلہ نظر آیا

عشق کی رفاقت سے کوئی پل نہیں خالی
میں جہاں جہاں پہنچا غم اُدھر اُدھر آیا

رات کا فسوں ٹوٹا پو پھٹی کرن جاگی
صورتِ سحر بن کر جب وہ بام پر آیا

مشق بھی رہی جاری زخم بھی سہے دل پر
طورؔ شعر کہنے کا پھر ہمیں ہنر آیا

عالمِ دیوانگی میں جانے کیا لکھتا رہا
اِک ستمگر کو محبت آشنا لکھتا رہا

جو ستم تو نے کیا ناز و ادا لکھتا رہا
جذبۂ ایثار بن کر میں بھلا لکھتا رہا

اپنا نوحہ اپنی تربت پر کھڑا لکھتا رہا
تشنۂ تکمیل حرفِ مدعا لکھتا رہا

صورتِ شبنم رگِ گُل میں اترنے کے لئے
اپنی ہستی کو بہارِ جاں فزا لکھتا رہا

آندھیوں کی زد پہ آیا جھلملا کر بُجھ گیا
خود کو میں ایسے میں جب روشن دیا لکھتا رہا

چھوڑ کر منجدھار میں ساحل پہ خود جا لگا
میں جسے ہر خط میں اپنا ناخُدا لکھتا رہا

دیکھ کر ہاتھوں میں تیرے سُرخیٔ خونِ جگر
میں تو دانستہ اسے رنگِ حنا لکھتا رہا

بارہا جس نے مجھے ٹھوکر لگائی غم دیئے
اور میں ہر گُل کو اُس کا نقشِ پا لکھتا رہا

آج تک جس کو کبھی دیکھا نہیں جانا نہیں
نامۂ اعمال میں جانے وہ کیا لکھتا رہا

جو میرے اشعار کے مفہوم تک پہنچا نہیں
میں اسے بھی ہم مزاق و ہمنوا لکھتا رہا

آج تک جس نے وفاداری کبھی برتی نہیں
طور ایسے سنگ دل کو باوفا لکھتا رہا

ہرے شجر سے کسی شاخ کا جُدا ہونا
ہے اس کے واسطے موقوفِ ارتقا ہونا

کھٹکتا رہتا ہے دنیا کی آنکھ میں ہر دم
کسی کے ساتھ کسی کا بھی باوفا ہونا

اندھیری رات کی ظلمت کو اور بڑھاتا ہے
کسی بھی جلتے دیے کا بجھا ہوا ہونا

سمیٹ لیتا ہے دامن میں اپنے سینکڑوں غم
کسی بھی دل کا محبت سے آشنا ہونا

وفا نہ مانگ کبھی بے وفا زمانے سے
نہیں ہے سنگ کی فطرت میں آئینہ ہونا

نگاہ جس کی بھی پڑتی ہے توڑ لیتا ہے
گلوں کو راس نہیں ہے کھلا ہوا ہونا

ہمارے خرمنِ ہستی کو پھونکنے کے لئے
یہی بہت ہے ترا پیکرِ حیا ہونا

دلیل ہے ترے افلاک سے اترنے کی
یہ برگِ گل پہ ترا حُسنِ نقشِ پا ہونا

کوئی بھی کچا گھروندا بنا ہے تاج محل؟
کہاں ہے خاک کی قسمت میں آئینہ ہونا

مرے مقام سے کوئی نہیں ہُوا واقف
بھلا ہُوا نہ مرا سیپ سے جُدا ہونا

مزاج طوَر جداگانہ ہم تو رکھتے ہیں
ہمارا کام نہیں سب کا ہمنوا ہونا

جب بھی چاہت یہاں بدنام ہوا کرتی ہے
زندگی موردِ الزام ہوا کرتی ہے

زندگی پیار کے انجام سے واقف ہے مری
موت ہی زیست کا انعام ہوا کرتی ہے

میں تو یہ مانتا ہوں جذبۂ صادق ہو تو پھر
منزلِ شوق بھی دو گام ہوا کرتی ہے

میرے اخلاص کو پابندِ سلاسل کرنے
دنیا آمادۂ دشنام ہوا کرتی ہے

صبح ڈھل جاتی ہے جب شام کے پیمانے میں
بے خودی غرقِ مئے جام ہوا کرتی ہے

ماں کی آغوش میں یا موت کی باہوں میں نیند
بے نیازِ غمِ ایام ہوا کرتی ہے

طور دستورِ زمانہ تو ازل سے ہے یہی
شمس جب ڈوبتا ہے شام ہوا کرتی ہے

○

نہ در میرا نہ گھر میرا نہ جاں میری نہ تن میرا
کروں کس منہ سے پھر دعویٰ کہ ہے سارا چمن میرا

وُہ ہے موجود لیکن ہے دکھانا بھی عبث اس کا
کہ جس کی یاد میں بے چین رہتا ہے یہ من میرا

کوئی خوبی نہیں مجھ میں مگر نسبت یہ کیا کم ہے
چھپا ہے آپ کی چشمِ کرم میں بانکپن میرا

مجھے اتنا یقیں ہے اب مری صحرا نوردی سے
ملا دے گا کسی دن آپ سے دیوانہ پن میرا

دمِ آخر کسی اللہ والے کی ملے اُترن
تو میں سمجھوں گا سب سے قیمتی ہے یہ کفن میرا

غزل ہو نظم ہو نعت و مناقب ہو رباعی ہو
مری پہچان اربابِ ہنر میں ہے یہ فن میرا

دبستانِ ادب میں محفلِ اربابِ الفت میں
رہے قائم ہمیشہ طور معیارِ سخن میرا

○

ساون کی جھڑی پیار کی رُت رات کا جادو
پھر اس پہ ستم ان سے ملاقات کا جادو
اب تک ہے نگاہوں میں ترا حسنِ سراپا
اب تک ہے مرے دل میں تری ذات کا جادو
نغموں کو دھنک پیار کے سورج سے ملی ہے
سوغات یہ رت کی ہے کہ برسات کا جادو
پلکوں پہ لرزتے ہوئے اشکوں کا فسانہ
ہونٹوں پہ مچلتے ہوئے جذبات کا جادو
یاد اتنا کہ اک بار وہ پل بھر کو ملا تھا
اب تک ہے مگر اس کی ملاقات کا جادو
چمکا جو تری یاد کا سورج مرے دل میں
پھر چل نہ سکا وادیٔ ظلمات کا جادو

روشن ہے ہر اک شاخ پہ قندیلِ زمرد
موسم نے جگایا ہے ہرے پات کا جادو
شیریں سخنی شیوۂ اربابِ وفا ہے
اے طور یہ کرتے ہیں مدارات کا جادو

○

جلاؤ شمع پروانے بہت ہیں	ابھی جانوں کے نذرانے بہت ہیں
کسی ساغر کی اب حاجت نہیں ہے	تری آنکھوں کے پیمانے بہت ہیں
یہاں غیروں سے کیا شکوہ شکایت	یہاں اپنے بھی بیگانے بہت ہیں
کتابِ عشق میں دیکھا گیا ہے	حقیقت کم ہے افسانے بہت ہیں
یہ دنیا ہے کہ عبرت گاہ کوئی	یہاں ترشے ہوئے شانے بہت ہیں
جہاں ہم بڑھ کے خود مصلوب ہونگے	ابھی وہ مرحلے آنے بہت ہیں
یہ دنیا ہے ہوس کاروں کی دنیا	یہاں چاہت کے پیمانے بہت ہیں

انہیں کم تر نہ سمجھو عقل والو — یہ دیوانے بھی فرزانے بہت ہیں

جو دل اُجڑا تو دیکھا طوؔر ہم نے
اس آبادی میں ویرانے بہت ہیں

رت بدلنے لگی دیکھتے دیکھتے — رات ڈھلنے لگی دیکھتے دیکھتے
باغ میں ان کو دیکھا تو ہر اک کلی — آنکھ ملنے لگی دیکھتے دیکھتے
ان کی آنکھوں نے جانے یہ کیا کہدیا — موت ٹلنے لگی دیکھتے دیکھتے
آپ کو دیکھ کر ایک بیمار کی — نبض چلنے لگی دیکھتے دیکھتے
حسرتِ دل کسی کی توجہ پہ اب — پھر مچلنے لگی دیکھتے دیکھتے

طوؔر کی زندگی آپ کے قرب سے
رُخ بدلنے لگی دیکھتے دیکھتے

✿✿

دل نے صدمے سہے جدائی کے — سارے جھگڑے ہیں آشنائی کے
عمر کے ماہ و سال ہیں گم ہیں — چند لمحے مری خدائی کے
جان کر کوئی بن گیا انجان — فاصلے بڑھ گئے جدائی کے
اپنے ہی جھونک میں گرے آخر — جن کو دعوے تھے کبریائی کے
ہم غبارِ رہِ محبت ہیں — ہم مسافر شکستہ پائی کے
جب قفس سے ہوا ہے دل مانوس — آن پہنچے ہیں دن رہائی کے

طوؔرِ عشق بتاں بھی دل میں ہے
لب پہ دعوے بھی پارسائی کے

م کی آرسی ہیں وہ جلوہ نما رہے — کرنوں کا روپ دھار کے دل کی ضیا رہے
گے کنول مری سوچوں کی جھیل ہیں — جب سے مرے خیال کا وہ آئینہ رہے
سے میں تیری یاد کو کیسے جُدا کروں — ممکن نہیں ہے پھول سے خوشبو جدا رہے

ہم وہ فقیر ہیں کہ درِ یار پر سدا
کشکول ساتھ لائے مگر بے صدا رہے

دل کو اسی خیال سے بجھنے نہیں دیا
راہِ وفا میں کوئی تو روشن دیا رہے

سوچا تھا ہم نے ان سے کہیں اپنا حالِ دل
لب بستگی کے شوق میں بے مدعا رہے

بارش ہوئی تو پھول بھی صحرا میں کھل گئے
محرومِ التفات مگر ہم سدا رہے

ہم سے ہے عشق کا یہ تقاضہ بہار میں
اس نے جو زخم دل کو لگایا ہرا رہے

اک جل پری کا رقص ہے پانی کی سطح پر
ایسے میں طورؔ کون بھلا پارسا رہے

انجانے دو محرم جیسے میری غزل اس کی آواز
دو دریا کا سنگم جیسے میری غزل اس کی آواز
بھیگی بھیگی راتوں میں اور تنہائی کے عالم میں
رم جھم رم جھم چھم چھم چھم جیسے میری غزل اس کی آواز

خلوت میں بھی جلوت میں بھی ہوش میں اور مدہوشی میں
سرگوشی کا عالم جیسے میری غزل اس کی آواز
جیتی بازی ہارنے والے تجھے یہ شاید علم نہیں
دل کے زخم کا مرہم جیسے میری غزل اس کی آواز
دیوانوں کی محفل میں اور فرزانوں کی محفل میں
سب کے لبوں پر ہر دم جیسے میری غزل اس کی آواز
چاہت کا اقرار بنی ہے جذبوں کا اظہار بنی
شعلۂ گل پر شبنم جیسے میری غزل اس کی آواز
تیرا بھی غم دور کرے گی تیری بھی غم خوار بنے گی
ساتھی مونس ہمدم جیسے میری غزل اس کی آواز
جب تک زندہ سخن وری ہے جب تک زندہ سر سنگیت
جھلمل کرتا پرچم جیسے میری غزل اس کی آواز
گلشن گلشن صحرا صحرا قریہ قریہ نگر نگر
طورؔ گلوں پر شبنم جیسے میری غزل اس کی آواز

✿✿

کوئی تو میٹھے دو بول بولے
پیار کا رس کانوں میں گھولے

کٹیا کے باسی محلوں کی باتیں
خوابوں کی تعبیر الٹی نہ ہو لے

راہِ وفا کی سوغات پیارے
پیروں میں چھالے دل میں پھپھولے

جاڑوں کی راتیں لمبی بہت ہیں
روئے گا کب تک منہ ڈھانپ سو لے

یادوں کے پنچھی پھر پھڑ پھڑائے
ماضی کی شاخوں پہ لے کے ہنڈولے

دامانِ شب ہے تاروں سے روشن
پلکوں پہ موتی ہم نے بھی رولے

غنچے کھلے ہیں کانٹوں میں گھِر کر
اب تو بھی غم کو دل میں سمو لے

ایسے بھی انساں دیکھے ہیں ہم نے
ذہنوں کے شاطر چہروں سے بھولے

کالی گھٹائیں لہرا کے آئیں
گھر سے وہ نکلے جب بال کھولے

اتنی بھی فرصت کس کو میسر
کون کسی کے دل کو ٹٹولے

طوؔر ترا من ہلکا ہو گا
تو بھی اب جی کھول کے رو لے

******

نکہتِ گل اس طرح اٹھی ریاضِ طوؔر سے
ہو کے بے خود وُہ بھی نکلے جلوۂ مستور سے

ہائے وُہ آہوں کا اٹھنا اس دلِ مہجور سے
ہائے وُہ گھبرا کے ان کا پاس آنا دور سے

دولتِ کونین کو ہم لے کے آخر کیا کریں
طالبِ دیدار ہیں ہم اس رخِ پر نور سے

وُہ سرِ بالیں وہ عالمِ کیف کا صبح و مسا
وُہ مزے کی لطف کی باتیں دلِ رنجور سے

کچھ پلا کر وہ بھی بہکے ہم بھی بہکے پی کے کچھ
اس نظر کی مئے نہیں ملتی مئے انگور سے

حسن کی بیگانگی اور عشق کی سرمستیاں
ظاہر و مظہر یہ دونوں ہیں ابھی مستور سے

ہے اناالحق کشتِ منصوری کے ذروں کی صدا
ہوگیں منصور ہر ذرہ دمِ منصور سے

دیکھنے والے نظر سے جہل کے پردے ہٹا
بزمِ عالم ہے فروزاں اب بھی شمعِ طور سے

غمِ حیات سے کب دل کو رستگاری ہے
کہ زندگی نفسِ زندگی سے عاری ہے

جو تو نہیں تو شبِ غم ہے بے قراری ہے
ہر ایک لمحہ جدائی کا دل پہ بھاری ہے

ملا ہے جب سے ترا پیار ہم فقیروں کو
خوشی سے واسطہ کیسا غموں سے یاری ہے

کھِلا سکی نہ کوئی بھی کلی مرے دل کی
میں کیسے مان لوں یہ بادِ نو بہاری ہے

سبق یہ شمع پہ جل کر دیا پتنگے نے
خلوص دل ہو تو آسان جاں نثاری ہے

جو کر رہے ہیں ہرا زخم دل مرے احباب
سمجھ رہے ہیں ستم ڈھا کے غمگساری ہے

مرا یہ حوصلہ دیکھو رہِ محبت میں
کہ میں نے جیت کے بازی عشق ہاری ہے

تمہارے ہاتھ کی سرخی تمہیں بتائے گی
رگِ حنا سے مرے دل کا خون جاری ہے

یہ جس بھی کسی طوفاں کا پیش خیمہ ہے
کہ اک سکوت سا ہر سو فضا پہ طاری ہے

کسی کی یاد سے اتنا تو ہے تعلق طورؔ
کسی کی یاد مجھے زندگی سے پیاری ہے

○

دل مرا اب بھی ترے حُسن کا شیدائی ہے
بے بصر جیسے کوئی طالب بینائی ہے

مستقل کوئی نہ مسکن نہ ٹھکانا میرا
میری قسمت میں فقط بادیہ پیمائی ہے

دیکھنے والے مجھے چشمِ تحیّر سے نہ دیکھ
میں تماشہ ہوں اگر تو بھی تماشائی ہے

حُسن ہے مخزنِ انوار و نشاط و نکہت
دامنِ عشق میں محرومی و رسوائی ہے

اتنی شہرت تو ملی آپ کی چاہت کے طفیل
مجھ کو کہتے ہیں سبھی آپ کا سودائی ہے

میرا مسلک ہے فقط طورؔ محبت کرنا
اس کی فطرت میں سدا نخوت دارائی ہے

جنوں میں جب سرِ قرطاس ان کا نام لکھا
قلم نے جُھک کے ادب سے انہیں سلام لکھا

یہ کس نے بادہ کشوں کے لئے پیام لکھا
شراب اوس کو ، گل کو حسین جام لکھا

جو آڑی ترچھی لکیریں ملی ہیں ساحل پر
ہوا نے ریت یہ شاید کسی کا نام لکھا

سیاہی پھیل گئی ہے سفید کاغذ پر
جو اُن کی زلفِ پریشاں کو ہم نے شام لکھا

قریب رہ کے بھی دریا سے ہونٹ پیاسے ہیں
اسی لئے لبِ ساحل کو تشنہ کام لکھا

اسی کی چھاؤں میں بیتے دنوں کو یاد کروں
وہ پیڑ جس پہ ہے دونوں کا اب بھی نام لکھا

اسیرِ زلف ہوا طور جب سے میرا دل
صبا نے ایک پرندے کو زیرِ دام لکھا

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا — جب گلستاں میں آشیانہ تھا
اب میسر نہیں ہے تنکا تک — پہلے ہر شاخ پر ٹھکانہ تھا
جس میں میرے لہو کے چھینٹے تھے — کتنا رنگین وہ فسانہ تھا
ساتھ وہ تھا تو تھی خزاں بھی بہار — وہ سماں کس قدر سہانہ تھا
دل تو کیا ہم تو جاں بھی دیدیتے — آپ نے ہم کو آزمانا تھا
شکوۂ غیر ہے عبث اے دل — ہم کو اپنوں سے غم اٹھانا تھا

طورؔ قسمت میں تھا غمِ فرقت
اُس کا ملنا تو اِک بہانہ تھا

اِک ذرا دل پہ چوٹ کھانے سے — سینکڑوں غم ملے زمانے سے
آنسوؤں کی نمی ہے پلکوں پر — جب ہنسے ہم کسی بہانے سے
کس کی چوکھٹ پہ جل رہا ہے دیا — منتظر کون ہے زمانے سے
پھول مرجھا گئے ہیں باغوں میں — کاروانِ بہار جانے سے
کہہ رہی ہے نظر کی ویرانی — غم چھپا ہے کہیں چھپانے سے
پھر وہ یاد آئے گا ستم ایجاد — فائدہ حال دل سنانے سے
بدنصیبی نہیں تو یہ کیا ہے — دُور ہوں اپنے آشیانے سے
سننے والے مرا فسانۂ دل — کوئی عبرت مرے فسانے سے

دل کا ہر زخم ہو گیا ہے ہرا
طورؔ فصلِ بہار آنے سے

یہ ہے میرے دل کا مول — ایک تبسم میٹھے بول
پریم کی باتیں ہیں انمول — پریم کا رس کانوں میں گھول
اشکوں کو پلکوں میں رول — پیار کے موتی ، ہیں انمول
کنکر لے کر ہیرے تول — ہم سے بھی دو میٹھے بول
بچھڑے ساتھی مل ہی گئے — سچ مچ یہ دنیا ہے گول
پائے گا تو اپنا آپ — پہلے من کا پٹ تو کھول
ان سے جب سے آنکھ لڑی — دل کی حالت ڈانواں ڈول
غیر کے آگے اے ناداں — اپنے من کا بھید نہ کھول

طور کا ہے پیغام یہی
پیار کی باتیں میٹھے بول

رات بھر ہم تو خیالِ یار سے کھیلا کئے
زخمِ دل سے دیدۂ خونبار سے کھیلا کئے

کتنے دیوانے ترے کوچے میں اے حسنِ ازل
اپنے سر سے سنگِ در سے دار سے کھیلا کئے

جادۂ الفت میں آیا جب بھی راحت کا خیال
آبلے بڑھ بڑھ کے نوکِ خار سے کھیلا کئے

دامنِ صبر و تحمل ہاتھ سے جاتا رہا
اور ہم ایسے میں قلبِ زار سے کھیلا کئے

کارِ ہر دشوار سے کھیلا کئے ہم اس طرح
جیسے تیشے سینۂ کہسار سے کھیلا کئے

جب خیالِ غمگساراں نے رلایا رات بھر
طور ہم اپنے دلِ بیمار سے کھیلا کئے

****

○

پیار کا حاصل تنہائی — دنیا بھر کی رسوائی
تیرے پیار کا جوگ لئے — پھرتا ہے اک سودائی
ساون بھادوں بیت گئے — اور نہ بیتی تنہائی
چلنے والے دیکھ کے چل — جگ ہے پانی پر کائی
مورکھ ہے جو پا نہ سکا — اپنے من کی گہرائی

طورؔ جنوں کی راہوں میں
کام نہ آئی دانائی

○

حُسن پابند بے وفائی ہے — فطرتِ عشق جبہ سائی ہے
شدّتِ غم نے ضبطِ پیہم نے — آگ دل میں مرے لگائی ہے
دُور منزل ہے راستہ معدوم — اور کربِ شکستہ پائی ہے
توڑ دینا کسی غریب کا دل — حُسن کی شانِ دلربائی ہے

طورؔ کیوں ہو گئی ہیں آنکھیں نم
یاد کس بے وفا کی آئی ہے

کچھ احترامِ بشر ہو تو ہم سے بات کرو
شعورِ فکر و نظر ہو تو ہم سے بات کرو
چمن کو کر دیا پامال باغبانوں نے
غلط یہ بات اگر ہو تو ہم سے بات کرو
تمہاری شعلہ نوائی تمہارا طرزِ عمل
ذرا بھی فیض اثر ہو تو ہم سے بات کرو
اجالے جس کی کرن کو ترستے رہتے ہیں
وُہ داغ داغِ جگر ہو تو ہم سے بات کرو
تمہارے نقشِ کفِ پا کو منزلیں چومیں
کچھ ایسا عزمِ سفر ہو تو ہم سے بات کرو

یہ کس نے توڑ دیا ملک سن اکہتّر میں
کچھ اس کی تم کو خبر ہو تو ہم سے بات کرو
شبِ دراز کی زلفوں سے کھیلنے والو
کوئی امیدِ سحر ہو تو ہم سے بات کرو
منانے والو بصد شوق جشنِ آزادی
جو ہم سے خاکِ بسر ہو تو ہم سے بات کرو
یہ بات اہلِ سیاست سے طور کہنی ہے
متاعِ سوزِ جگر ہو تو ہم سے بات کرو

○

پیار کا حاصل تنہائی
دنیا بھر کی رسوائی

تیرے پریم کا جوگ لئے
پھرتا ہے اک سودائی

ساون بھادوں بیت گئے
اور نہ بیتی تنہائی

چلنے والے دیکھ کے چل
جگ ہے پانی پر کائی

مورکھ ہے جو پا نہ سکے
اپنے من کی گہرائی

طورؔ جنوں کی راہوں میں
کام نہ آئی دانائی

○

ہو سکے تو کام ایسا کیجئے
دھوپ کے ماروں پہ سایہ کیجئے

گیسوؤں کو رخ پہ یوں بکھرائیے
کچھ اندھیرا کچھ اجالا کیجئے

آدمی کو آدمی گردانیے
عشق کا یوں بول وبالا کیجئے

جگنوؤں سے قرض لیجئے روشنی
ظلمتِ شب میں اجالا کیجئے

وسعتِ ذرہ میں صحرا دیکھئے
قطرۂ شبنم کو دریا کیجئے

پھول کے ہمسائے تو کانٹے بھی ہیں
ہم کو اپنا قرب بخشا کیجئے

ہر گھڑی کی خامشی اچھی نہیں
بولنے کے وقت بولا کیجئے

چھیڑئے پھر بربطِ دل پر وہ راگ
پھر دلِ مردہ کو زندہ کیجئے

آئیے پردے سے باہر آئیے
دردِ دل کا کچھ مداوا کیجئے

حبس بڑھ جائے تو بارش کا گماں
دل جو بھر آئے تو رویا کیجئے

طورؔ صاحب نیک نامی کے لئے
پہلے کوئی کام اچھا کیجئے

○

سانچے میں آپ حسن کے کچھ اسطرح ڈھلے
آغوشِ ماہتاب میں جیسے کرن پلے

ہر ہر قدم پہ حسن کے سو سو دئے جلے
متوالی چال ایسی کہ کبکِ دری چلے

وہ طائرانِ شوخ کا منظر تو دیکھئے
وارفتگیٔ شوق میں ملنے لگے گلے

سلجھا رہا ہوں زلف تری اس خیال سے
جیسے سلجھ رہے ہوں زمانے کے مسئلے

فی الفور آئے دیدۂ نرگس میں روشنی — جو تیری خاکِ نقشِ کفِ پا اگر ملے

دیکھا جو ہم نے حسن کی فتنہ گری کو طورؔ
بیدار ہو گئے کئی خوابیدہ ولولے

○

اب یہی زندگی کا حاصل ہے — نقشِ پا اس کا میری منزل ہے
ڈوبنے والے تجھ کو کیا معلوم — کتنی پُرنم یہ چشمِ ساحل ہے
میرے حسنِ طلب کی داد تو دے — میرا حسنِ طلب ترا دل ہے
دیدۂ شوق ہے ادب لازم — سامنے وہ ہے اس کی محفل ہے
توڑنے والے اتنا ہوش رہے — یہ مرا دل نہیں ترا دل ہے

آج بھی طورؔ میری آنکھوں میں
حسن کا احترام داخل ہے

✿✿

○

یہ ادائے بے نیازی ہاں مگر میرے لئے — جنبشِ در ہو کہ دزدیدہ نظر میرے لئے
پھر تری آنکھوں میں چمکے ہیں گہر میرے لئے — پھر بنا راحت فزا دردِ جگر میرے لئے
پھر بہ وقتِ صبح وہ آئے عیادت کو مری — پھر پیامِ زندگی لائی سحر میرے لئے
جو وفا کی راہ میں ثابت قدم پائے گئے — ان کا ہر نقشِ قدم ہے راہبر میرے لئے
غم نہیں اس کا کہ خالی ہاتھ اک راہی ہوں میں — حوصلہ خود بن گیا زادِ سفر میرے لئے
اور بھی تو تھے اسیرانِ قفس میری طرح — پھر بھی اے صیاد تو نے بال و پر میرے لئے
تیری بزمِ ناز سے جس روز اٹھ جاؤں گا میں — مدتوں رویا کریں گے بام و در میرے لئے

طورؔ ذرہ ہوں مگر میری یہ عظمت کم نہیں
رات دن روشن ہوئے شمس و قمر میرے لئے

○

روشن ہیں داغ قلب و جگر ہم سفر میں ہیں — راہوں میں ظلمتیں ہیں مگر ہم سفر میں ہیں
منزل ہے گردِ راہِ سفر ہم سفر میں ہیں — اے ساکنانِ کوہ و کمر ہم سفر میں ہیں

دیکھو تو کائنات کے منظر نگاہ میں — سمجھو تو تا بہ حدِ نظر ہم سفر میں ہیں

اربابِ ہوش ہم سے نہ پوچھو کہ آج کل — دیوانگی کے زیرِ اثر ہم سفر میں ہیں

روزِ ازل سے طور کسی کی تلاش میں

دن رات مثلِ شمس و قمر ہم سفر میں ہیں

○

جو ازل سے آج تک مستور ہے — اس کے جلوؤں سے جہاں معمور ہے

یہ بھی اِک رازِ رُخِ پرنور ہے — جس کا جلوہ ہے وہی مستور ہے

ہجر کی شب ہم سے کوسوں دور ہے — وصل کا عالم ہے دل مسرور ہے

پرتوِ حسنِ ازل جس پر پڑا — وہ جوابِ سرمد و منصور ہے

میکدہ میں بادہ کش ہم ہی نہیں — آج ساقی بھی نشے میں چور ہے

التفاتِ چشمِ ساقی کی قسم — دل شرابِ عشق سے مخمور ہے

کامیابِ عشق ہے ناکامیاب — یہ دیارِ عشق کا دستور ہے

کیا پتے کی بات کوئی کہہ گیا — زخم جو اچھا نہ ہو ناسور ہے

آج تک دیکھی نہیں جس کی جھلک — دل مرا اس کے لئے رنجور ہے

ذکر اس کا از زمیں تا آسماں — کس قدر وہ دلربا مشہور ہے

مژدۂ لَاتَقنطوا جس نے سنا — حشر میں وہ شاد ہے مسرور ہے

اس کی تسلیم و رضا کے واسطے — اپنی بربادی مجھے منظور ہے

اس کے در کا ایک ادنیٰ سا غلام — قیصر و کسریٰ جم و فغفور ہے

دیدۂ بینا میسر ہو اگر

ہر کلی گویا چراغِ طور ہے

○

دل سے اب ضبطِ غم نہیں ہوتا — درد بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا

سینکڑوں غم ہوں غمگسار نہ ہوں — ایسی صورت میں غم نہیں ہوتا

سر ترے در پہ آ کے جھکتا ہے — یہ کہیں اور خم نہیں ہوتا

یہ کہا اس نے بے نیازی سے — ہر تغافل ستم نہیں ہوتا

○

سرِ امواجِ دریا خم نہیں ہے — سفینے میں بھی طوفاں کم نہیں ہے
کوئی مونس کوئی ہمدم نہیں ہے — ہزاروں زخم ہیں مرہم نہیں ہے
وہ تجھ سے آشنائی کیا کرے گا — جو اپنے آپ سے محرم نہیں ہے
اسی احساس سے زندہ ہوں ابتک — مرا غم اب کسی کا غم نہیں ہے

مرا دل طورؔ بھی غارِ حرا بھی
مری عظمت کسی سے کم نہیں ہے

○

سامنے وہ ہیں نظر میں دم نہیں — وصل میں بھی وصل کا عالم نہیں
کوئی اپنے آپ سے محرم نہیں — ہوش میں بھی ہوش کا عالم نہیں
کس سے کہیے حالِ دل کوئی یہاں — غمگسار و مونس و ہمدم نہیں
تم کو احساسِ ندامت کی قسم — اپنی بربادی کا ہم کو غم نہیں

طورؔ ان بھیگی ہوئی آنکھوں میں اب
خونِ دل ہے قطرۂ شبنم نہیں

خوش بیاں شیخ ہو تو ہو لیکن — رازدارِ حرم نہیں ہوتا

جن کی فطرت میں سوزِ عشق ہے طورؔ
حوصلہ ان کا کم نہیں ہوتا

○

مدت کے بعد خود کو جو ہم یاد آگئے — عیش و نشاطِ خلد و ارم یاد آگئے
جب تک تھے میکدے میں تھے مصروفِ ذکرِ حق — کعبے میں آگئے تو صنم یاد آگئے
سجدے جبینِ شوق میں لاکھوں مچل اٹھے — جب بھی کسی کے نقشِ قدم یاد آگئے
ہر زخمِ دل مثالِ گلِ تر ہوا ہے سرخ — فصلِ بہار آئی تو غم یاد آگئے
جب بھی کوئی کسی پہ ہوا مائلِ کرم — ایسے میں ان کے لطف و کرم یاد آگئے

سلجھا رہے تھے گیسوئے ہستی کو طورؔ ہم
ایسے میں ان کی زلف کے خم یاد آگئے "

☆☆

اِک تیری یاد صبح و شام رہے
میرے ہونٹوں پہ تیرا نام رہے

چشمِ ساقی سے سب ہوئے سیراب
اِک مگر ہم ہی تشنہ کام رہے

دل کی تسکین کے واسطے لازم
میری آنکھوں کے آگے جام رہے

راہِ حق سے بھٹک گئے وہ لوگ
خواہشِ دل کے جو غلام رہے

ان کی آواز کی ہے طور پہ گونج
وہ جو موسیٰ سے ہم کلام رہے

پھولوں کی امتیاز خوشبو   محمود گل ایاز خوشبو

یہ گل رخوں کی ہم نشیں ہے   یہ ہے چمن طراز خوشبو

آئی ہے جب سے اسکو چھو کر   اور ہو گئی دلنواز خوشبو

وہ گنگنا رہا ہے چھپ کر   اس کی صدائے ناز خوشبو

اس زلفِ عنبریں کی ہم کو   زلفِ شبِ دراز خوشبو

آئی ہے بزم گل رخاں سے   دل میں چھپائے راز خوشبو

اپنی ہی دھن میں ہے جہاں ہے   ہر شے سے بے نیاز خوشبو

ہوتا ہے جب قریب کوئی   ہوتی ہے چارہ ساز خوشبو

اس کے بغیر طور اب تک
میرے لئے جاں گداز خوشبو

✡✡

رو رو ہوا یہ حال ہمارا کبھی کبھی
آنسو بنا ہے صبح کا تارا کبھی کبھی

ساحل پہ رہنے والو نظر میں رہے یہ بات
ہوتا ہے نذرِ موج کنارا کبھی کبھی

دیتا ہے رت جگے کی سزا چشمِ شوق کو
ان کی نظر کا ایک اشارا کبھی کبھی

تنہائیوں کا دل پہ مسلط ہوا جو خوف
ایسے میں ہم نے خود کو پکارا کبھی کبھی

سمٹی نظر تو عارضِ گلگوں پہ تِل بنا
ٹھہرا نگاہِ شوق کا پارا کبھی کبھی

شبنم کا روپ دھار کے پہنچا چمن چمن
چرخِ کہن کا ایک ستارا کبھی کبھی

اس کا گلاب رنگ دھنک خواہشیں مری
دینے لگے ہیں رُت کو سہارا کبھی کبھی

ہوتا ہے دل گداز محبت کی آنچ سے
کرتے رہو ستم بھی گوارا کبھی کبھی

آج ہم نے اس سے بزمِ تصور میں یہ کہا
اِک چشمِ التفات خدارا کبھی کبھی

اے طورؔ غم وہ جس کو غمِ عاشقی کہیں
دیتا ہے زندگی کو سہارا کبھی کبھی

اک اجنبی ہے آشنا سا
وہ دل فریب و دلربا سا

اس کے بغیر شام غم میں
دل کا دیا بجھا بجھا سا

ماتھے کی سلوٹیں ہیں گویا
مجھ سے ہے وہ خفا خفا سا

خوشبو بکھیرتا گیا ہے
وہ شوخ دفعتاً صبا سا

میں اپنے گھر میں اجنبی ہوں
کوئی نہیں مرا شناسا

اب دل کی حسرتیں ہیں جیسے
اک قافلہ لٹا لٹا سا

دنیائے سیم و زر میں اب بھی
چاہت فقط مرا اثاثہ

پھولوں کو آگیا پسینہ
دیکھا تمہیں جو اک ذرا سا

آنکھوں میں ہیں نشے کے ڈورے
بند قبا کھلا کھلا سا

اے طورؔ جس نے درد بخشا
اُس بت کا نام ہے بھلا سا

خورشید سا ابھر رہا ہوں
دریاؤں میں اتر رہا ہوں

اس کی تلاش و جستجو میں
برسوں نگر نگر رہا ہوں

زخموں سے خون رِس رہا ہے
پھولوں میں رنگ بھر رہا ہوں

تپتی زمین صبر پل بھر
میں ابر سے اتر رہا ہوں

انسان ازل سے پِس رہا ہے
یہ سوچ کر بکھر رہا ہوں

جو میرا ہمسفر رہا ہے
میں اس کا ہمسفر رہا ہوں

ظلمت اسی لئے ہے ترساں
آئینۂ سحر رہا ہوں

جب سے وہ ملتفت ہوا ہے
ہر شے سے بے خبر رہا ہوں

غواص علم و آگہی ہوں
موتی تلاش کر رہا ہوں

غالبؔ کا معترف ہوں لیکن
تقلیدِ میرؔ کر رہا ہوں

دنیائے فن میں طورؔ برسوں
مومنؔ سا معتبر رہا ہوں

**

غم کی سولی پر بھی ہیں مسرور ہم
دیکھ لو ہیں وقت کے منصور ہم

ہو کے جامِ عشق سے مخمور ہم
سب کو دیں گے پیار کا دستور ہم

بن کے سائل اُن کے کوچے میں گئے
دل کے ہاتھوں جب ہوئے مجبور ہم

تیرا دیوانہ ہمیں کہتے ہیں لوگ
تیری نسبت سے ہوئے مشہور ہم

چاک دامن، آنکھ نم، حالت تباہ
عشق کی دولت سے ہیں معمور ہم

راستے کے پیچ و خم میں کھو گئے
اپنے مرکز سے ہوئے جب دور ہم

مسندِ شاہی ہماری، فرشِ خاک
عشق کی اقلیم کے فغفور ہم

ہم سے ملنا ہے تو چھانو خاک میں
خاک کے پردے میں ہیں مستور ہم

برق وہ نکلی حجابِ ناز سے
منتظر تھے جیسے برسوں طورؔ ہم

ہم تیری عنایت کے سزا وار نہیں کیا
نا کردہ گناہوں کے گنہگار نہیں کیا

مائل بہ کرم حسنِ جفا کار نہیں کیا
شبنم پہ وہ خورشید ضیا بار نہیں کیا

ہم نے تری اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنوارا
اے حسن بتا ہم سے سروکار نہیں کیا

ہر سمت ترا جلوۂ بے تاب ہے کیونکر
کوئی بھی ترا طالبِ دیدار نہیں کیا

اب مصر کا بازار بھی سنسان پڑا ہے
یوسف کا یہاں کوئی خریدار نہیں کیا

اک جنسِ شرافت کا جہاں مول نہیں ہے
اب تو ہی بتا دے یہ وہ بازار نہیں کیا

ہر شخص جہاں اپنے ہی پندار میں گم ہو
مفقود وہاں جذبۂ ایثار نہیں کیا

ہاں کچھ تو کہو شب کے تنک تاب ستارو
ظلمت میں نہاں صبح کے آثار نہیں کیا

اے طور کوئی پیکرِ اخلاص و محبت
اس دور کے ماحول سے بیزار نہیں کیا

نہ ہجر میں ہے میسر نہ وصلِ یار میں ہے
وہ لطف جو کہ مرے حالِ اضطرار میں ہے

یہ بیخودی یہ جنوں ہوش اور یہ مدہوشی
نہ اختیار سے باہر نہ اختیار میں ہے

کھلے جو پھول ہرے ہو گئے ہیں زخمِ جگر
یہ ہم پہ کس کا کرم موسمِ بہار میں ہے

ہے شہرہ طور زمانے میں جس کے شعروں کا
سنا ہے ہم نے وہ درویش اس دیار میں ہے

یہ بات سادہ ہے لیکن بہت ہی گہری ہے
سمندروں کی رگوں میں شفق کی سرخی ہے

وہ ایک قطرۂ نیساں جو سیپ میں پہنچا
گلوں پہ اوس سے افضل ہے کیونکہ موتی ہے

یہ کس نے زلف ہٹائی ہے اپنے چہرے سے
اندھیری رات ہے اور چاندنی سی چٹکی ہے

چمن میں طورؔ وہ جب سیر کے لئے آیا
ہر اک پھول کی رنگت اڑی اڑی سی ہے

بن کے سراپا دردِ جگر ہم تیری گلی میں آئے ہیں
چاک گریباں خاک بسر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

جانِ طلب اے رشکِ قمر ہم تیری گلی میں آئے ہیں
ہم پہ اچٹتی ایک نظر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

جوشِ جنوں میں ہم نے برسوں خاکِ صحرا چھانی ہے
گھوم کے سارے دیس نگر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

دنیا کا تو کام ہے ہنسنا دنیا والے کیا جانیں
سوختہ دل آشفتہ جگر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

کانٹوں کانٹوں چل کر ہم بھی پھولوں کا ارمان لئے
جانِ بہاراں اے گلِ تر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

ساقی بھی تھا شیشہ بھی تھا مئے بھی تھی مے خانہ بھی
چھوڑ کے سب کچھ دیکھ ادھر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

کوچہ کوچہ قریہ قریہ چاہت کا کشکول لئے
پھرتے پھراتے جیون بھر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

اس کو یہ معلوم نہیں ہے طورؔ اسے یہ بات بتا
چھوڑ کے تیرے عشق میں گھر ہم تیری گلی میں آئے ہیں

چمن والو بنا ہے جب سے دشمن آسماں میرا
جلایا فصلِ گل میں بجلیوں نے آشیاں میرا

نہ جانے کس کی چاہت میں بھٹکتا پھر رہا ہوں میں
نہ جانے کون سی منزل پہ ٹھہرے کارواں میرا

ترے گھر کا پتہ پوچھے نہ کوئی میری تربت سے
مٹانا چاہتا ہے اس لئے تو یہ نشاں میرا

مرا حسنِ بیاں کیا ہے مرے مولیٰ عطا تیری
لگے پھر کیوں نہ دل کش سب کو اندازِ بیاں میرا

جسے اپنا سمجھ کے میں نے حالِ دل سنایا تھا
بنا ہے وہ رقیب آخر کہ جو تھا رازداں میرا

نقابِ رُخ اُلٹ کر کون آیا بزمِ خلوت میں
بدل کر رکھ دیا کس نے یقیں میں ہر گماں میرا

حیاتِ عارضی میں، میں بھروسہ کیوں کروں دم کا
نہ دل میرا نہ جاں میری نہ یہ حُسنِ جہاں میرا

کہاں ہے مجھ میں یہ طاقت کہاں ہے مجھ میں یہ ہمت
ترے ہی لطف کا صدقہ ہے یہ زورِ بیاں میرا

مجھے جُرمِ محبت کی سزا دینے لگا پیہم
زمانہ لے رہا ہے طور ہر دم امتحاں میرا

میرے جنوں کا یہ قرینہ — امرت سمجھ کے زہر پینا
وقتِ سحر یہ اوس کیا ہے — تاروں کے کرب کا پسینہ
ہر آدمی کی ارتقا کو — ہر سانس زندگی کا زینہ
دریاؤں کے کٹے کنارے — موجوں نے ساحلوں کو چھینا
احسانِ ناخدا سے بہتر — طوفان میں رہے سفینہ
زخمی دلوں کا رازداں ہے — ٹوٹا ہوا ہر آبگینہ
وہ آبرو ہے زندگی کی — اس کے بغیر کیا ہے جینا
انجامِ عشق کیا بتائیں — خالی ہے حسرتوں سے سینہ

اس کی تجلیوں میں گُم صُم
اپنی جگہ ہے طورِ سینا

میں کہاں اور خیالِ یار کہاں — میں ہوں ذرہ مرا شمار کہاں
ہم کو اب تابِ انتظار کہاں — دل پہ پہلا سا اختیار کہاں
ہم نے دیکھا ہے داغِ لالہ بھی — دل کے جیسا وہ داغدار کہاں
ان کے آنے کا اعتبار تو ہے — زندگی تیرا اعتبار کہاں
ان سے ترکِ تعلقات سہی — یہ ابھی دل پہ آشکار کہاں
پُرسشِ حالِ دل فگار نہ کر — طاقتِ نطقِ دلِ فگار کہاں

کس کو دکھلائیں طورِ زخمِ جگر
اب وہ پہلے سے غمگسار کہاں

جو بھی احسان کا صلہ مانگے — ایسے انسان سے کوئی کیا مانگے
اس جفاکیش سے وفا مانگے — زندگی موت سے بقا مانگے
حسن سے حسن کی لطافت سے — آئینہ آئینہ جلا مانگے
جس کو بخشی ہے تونے دولتِ غم — وہ ترے در سے اور کیا مانگے
اے سبک رو صبا خرام ٹھہر — یہ جبیں تیرا نقشِ پا مانگے
سوزِ فرقت میں وہ بھی بیکل ہوں — شامِ فرقت یہ دل دعا مانگے
فصلِ گل ہیں کسی پری وش سے — دستِ گل شعلۂ حنا مانگے

اِک جھلک اور اپنے جلوے کی
آپ سے طور اور کیا مانگے

☆☆☆

حسن جس حال میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
آفتِ دل ہی نہیں آفتِ جاں ہوتا ہے
حسن جس وقت بھی رکھتا ہے جوانی میں قدم
درحقیقت وہ قیامت کا سماں ہوتا ہے
اس کے پیکر سے یہ اٹھتی ہوئی خوشبو کی قسم
اس کے پیکر پہ مجھے گل کا گماں ہوتا ہے
سامنے ہوتا ہے جس وقت وہ غارت گرِ دل
ایسے عالم میں بھلا ہوش کہاں ہوتا ہے
بات کرتے ہوئے وہ لب یوں کھلا کرتے ہیں
جیسے کھلتے ہوئے غنچہ کا سماں ہوتا ہے
اس حقیقت سے کسی کو کبھی انکار نہیں
آگ خرمن میں جو لگتی ہے دھواں ہوتا ہے

کشتیٔ زیست کو طوفاں کے حوالے کر کے
عزم دیوانے کا کچھ اور جواں ہوتا ہے

لوگ ملتے ہیں زمانے میں بچھڑنے کے لئے
گردشِ وقت میں پھر کون کہاں ہوتا ہے

جب بھی جاتا ہے کوئی منزلِ جاناں کیطرف
ریت پر پاؤں کا موہوم نشاں ہوتا ہے

انگلیاں اہلِ محبت پہ اٹھا کرتی ہیں
ایسا ہر دور میں بے وہم و گماں ہوتا ہے

بند ہوتی ہے کبھی کیا کسی مٹھی میں کرن
کیا وہ سورج کسی دامن میں نہاں ہوتا ہے

میں تو اک خانماں برباد غریب و مفلس
مجھ پہ مائل وہ گلِ ناز کہاں ہوتا ہے

اہلِ دل جانتے ہیں زخمِ جگر کی قیمت
طورؔ یہ زخم تو سرمایۂ جاں ہوتا ہے

میری قسمت میں نہیں گوشۂ گلشن کوئی
میں وہ پنچھی ہوں نہیں جس کا نشیمن کوئی

دل کا یہ حال کہ سانسوں کی چبھن سے گھائل
اشک کو غم کہ میسر نہیں دامن کوئی

وقت نے نوچ لئے طائرِ مجبور کے پر
اور زنداں میں بھی چھوڑا نہیں روزن کوئی

جنبشِ پردۂ در اس کا پتہ دیتی ہے
مضطرب میرے لئے تھا پسِ چلمن کوئی

اس کی یادوں میں مرے اشکِ رواں کا عالم
بے تھمے جیسے برستا ہوا ساون کوئی

آتشِ عشق نے کچھ ایسے جلایا ہے مجھے
جیسے برسات میں جلتا ہوا خرمن کوئی
عالمِ ہجر میں اے طور یہ محسوس ہوا
لے گیا چھین کے جیسے میرا جیون کوئی

○

عشق میں خود سے بے نیازی کا — ایک عالم ہے سرفرازی کا
زخمِ دل کو کریدنے کے لئے — اک بہانہ ہے چارہ سازی کا
دل کو یہ بات کیسے سمجھاؤں — اب زمانہ نہیں ایازی کا
ہم کو دیکھا تو پھیر لیں آنکھیں — یہ وطیرہ ہے بے نیازی کا
مر گئے حسرتِ گناہ میں ہم
یہ صلہ طور پاک بازی کا

٭٭

○

بہ عنوانِ محبت کر رہے ہیں — ترے غم کی تلاوت کر رہے ہیں
کوئی ہم سے محبت کر رہا ہے — کسی سے ہم محبت کر رہے ہیں
نہیں جن کو میسر غنچہ و گُل — وہ کانٹوں پر قناعت کر رہے ہیں
ترے رخسار ہیں اوراقِ مصحف — نظر والے تلاوت کر رہے ہیں
غرض کیا ہم کو اوروں سے کہ ہم تو — بیاں اپنی حکایت کر رہے ہیں
شعورِ فن دیا ہے ہم نے جن کو — وہی ہم سے بغاوت کر رہے ہیں
حدیثِ دلبراں ہے طور لب پر
مگر دل سے عبادت کر رہے ہیں

○

جسے دیکھا نہیں اس کی لگن ہے — دلِ ناداں یہ کیا دیوانہ پن ہے
یہ دنیا ہے۔ کہ دنیا کا چلن ہے — محبت کا صلہ دار و رسن ہے
ادائے جنبشِ در کہہ رہی ہے — پسِ پردہ کوئی ناوک فگن ہے

جو پوچھا اس کی بابت آئینے سے
کہا! وہ تو سراپا انجمن ہے

غزل جانِ غزل پر ہے تصدق
وہ ایسا پیکر شعر و سخن ہے

تخیل سر جھکا دے جس جگہ پر
وہی اے طورؔ معراجِ سخن ہے

فکر کا زاویہ عجیب بنا
قوسِ پروازِ عندلیب بنا

میں اعادہ کروں وفاؤں کا
تو کوئی ظلم کر صلیب بنا

حُسن پر کس قدر شباب آیا
آئینہ بھی مرا رقیب بنا

دولت عشق سے زمانے میں
جو تونگر بنا غریب بنا

اے مقدر سنوارنے والے
میرا بگڑا ہوا نصیب بنا

جھیل میں طورؔ جو کنول بھی کھلا
وُہ رخِ یار کا نقیب بنا

**

دل ہمارا مرکزِ جانانہ ہے
کعبہ گویا صورتِ بتخانہ ہے

زندگی افسانہ در افسانہ ہے
بے خودی چھلکا ہوا پیمانہ ہے

مضطرب آبِ رواں کیونکر نہ ہو
بار عکسِ سبزۂ بیگانہ ہے

سن کے میری داستانِ دردِ دل
آپ بھی کہنے لگے دیوانہ ہے

ایک ہلکا سا تبسم دلفریب
نور کا چھلکا ہوا پیمانہ ہے

پی کے انکی مست آنکھوں سے شراب
جو بہک جائے وہی مستانہ ہے

شمع کا اڑ کر کیا جس نے طواف
طورؔ وہ خاکسترِ پروانہ ہے

○

کس کے غم نے دامنِ دل بھر دیا ایک مفلس کو تونگر کر دیا
زندگی جز خونِ حسرت کچھ نہیں ڈوبتے سورج نے یہ منظر دیا
بہکے بہکے سے قدم پڑنے لگے آپ کی نظروں نے یہ کیا کر دیا
اب وہی پتھر خدا بننے لگے دستِ آزر نے جنہیں پیکر دیا
کس نے چہرے سے الٹ دی ہے نقاب کس نے ظلمت میں اجالا کر دیا
پھول کی جانب بڑھا ہوں جب بھی میں ہاتھ کو کانٹوں نے زخمی کر دیا
طورؔ اس کو پیار کی منزل ملی
جادۂ الفت میں جس نے سر دیا

○

وہ ہیں کم سن ہلال کی مانند میرے نازک خیال کی مانند
پھول کی طرح ان کے عارض ہیں آنکھ چشمِ غزال کی مانند
یاد آنے لگے ہیں وہ جب سے ہجر بھی ہے وصال کی مانند

ہر تبسم جواب کی صورت ہر خموشی سوال کی مانند
میں ہوں میخانۂ جہاں میں طورؔ
ایک جامِ سفال کی مانند

○

جو بھی احسان کا صلہ مانگے ایسے انساں سے کوئی کیا مانگے
حسن سے حسن کی لطافت سے آئینہ آئینہ جلا مانگے
جس کو بخشی ہے تو نے دولتِ غم وہ ترے در سے اور کیا مانگے
موسمِ گل میں اک پری وش سے دستِ گل شعلۂ حنا مانگے
اک جھلک اور اپنے جلوے کی
آپ سے طورؔ اور کیا مانگے

✿✿

○

سناٹے سے جی گھبرایا خاموشی کو توڑ دیا
جھیل میں کس نے کنکر پھینکا خاموشی کو توڑ دیا
فرزانے تو گم صُم بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں
دیوانوں نے شور مچایا خاموشی کو توڑ دیا
ختم ہوئی ہے رات اندھیری تارے بھی سب ڈوب گئے
چڑیوں کی چہکار نے بابا خاموشی کو توڑ دیا
شیش محل میں رہنے والو کانچ کا بیری پتھر ہے
ان کو ہم نے یہ سمجھایا خاموشی کو توڑ دیا
سورج کی کرنوں نے آکر شبنم کا خوں چوس لیا
پھول نے جب یہ منظر دیکھا خاموشی کو توڑ دیا
سپنوں کا وہ ایک جزیرہ جس میں تم تھے شور نہ تھا
جگ والوں نے اتنا چیخا خاموشی کو توڑ دیا

مہر بلب تھے اس کے آگے دانا بھی دیوانے بھی
ہم نے دل کا حال سنایا خاموشی کو توڑ دیا
طورؔ کسی کی بے مہری پر اور مری غرقابی پر
لہروں نے سر اپنا پیٹا خاموشی کو توڑ دیا

○

آگ ہو لہجہ میں لیکن آگہی ایسی نہ ہو   جو اندھیروں کو جنم دے روشنی ایسی نہ ہو
اے مسیحا زخم جس سے اور بھی بڑھنے لگے   زخم اچھا ہو نہ ہو چارہ گری ایسی نہ ہو
تہہ میں موتی اور سطحِ آب پر لاکھوں حباب   ناقدرانِ زندگی کی زندگی ایسی نہ ہو
وار دشمن کا سہا اور دوستوں سے یہ کہا   دشمنی ایسی ہو لیکن دوستی ایسی نہ ہو
امن وہ جس کو خلاؤں میں کرے انساں تلاش   عزم ایسا ہو مگر دیوانگی ایسی نہ ہو
طورؔ ہو جائے تلف جس سے کوئی جانِ عزیز
کوئی غم ایسا نہ ہو کوئی خوشی ایسی نہ ہو

جب اختیار کسی بے ہنر کو ملتا ہے
اندھیری رات کا سایہ سحر کو ملتا ہے

طویل راہ کا احساس تک نہیں ہوتا
جو ہمنوا کہ کسی ہم سفر کو ملتا ہے

کمالِ فن میں ٹپکتا ہے انگلیوں سے لہو
یہ وہ صلہ جو کسی شیشہ گر کو ملتا ہے

اساسِ غم ہے محبت یہ [illegible] ہوں مگر
گدازِ عشق دلِ معتبر کو ملتا ہے

ہوا شجر وہ زمیں بوس جس میں فیض نہ تھا
یہ درس صاحبِ علم و ہنر کو ملتا ہے

خدا کی دین ہے عظمت جسے بھی مل جائے
کہ کچھ نہ کچھ تو ہنر ہر بشر کو ملتا ہے

کوئی بھی جد و جہد رائیگاں نہیں جاتی
قفس میں حوصلہ یہ بال و پر کو ملتا ہے

جو اپنے آپ میں گم ہو بہ ہوش و دانائی
نشانِ منزل اسی راہبر کو ملتا ہے

زباں پہ طوّر خموشی کی مُہر لگتی ہے
نشان جو اس کا کسی دیدہ ور کو ملتا ہے

بکھرا کے زلف وہ جو ادھر سے گذر گیا
دن کا اُجالا قلزمِ شب میں اُتر گیا

آئی اجل تو نالۂ دل بھی ہوا خموش
بدلا سماں تو دودِ چراغِ سحر گیا

اے شمعِ کشتہ پھر تری لَو کی تلاش میں
پروانہ راکھ بن کے فضا میں بکھر گیا

سمٹا فلک تو آنکھ کی پُتلی میں آبسا
پھر وسعتِ نظر میں یہ منظر ٹھہر گیا

سقراط ہے تو زہر کا پینا بھی شرط ہے
منصور بن کے جو بھی اٹھا دار پر گیا

اے نکتہ سنج تلخ نوائی مری معاف
اہلِ ہنر کے ساتھ مذاقِ ہنر گیا

ذہنوں کا انجماد پتہ دے رہا ہے یہ — لوگوں میں جیسے جذبۂ احساس مرگیا

وہ اس ادا سے آکے ملا اور چل دیا
زخموں کا طورؔ جیسے مقدر سنور گیا

○

تیرگی میں چراغ مل نہ سکا — داغ ڈھونڈا تو داغ مل نہ سکا
ان سے ملنے پہ سانحہ یہ ہوا — دل ملا تو دماغ مل نہ سکا
آج تک کھوج میں رہے لیکن — ہم کہ اپنا سراغ مل نہ سکا
سب کے ہاتھوں میں مشعلیں روشن — کوئی روشن دماغ مل نہ سکا

معرفت کی شراب ہو جس میں
طورؔ ایسا ایاغ مل نہ سکا

✪✪

○

محبت اس قدر مجبور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
یہ افسانہ بہت مشہور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
ازل سے یہ ترا دستور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
کہ دل میں ہے نظر سے دور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
فلک نے ان گنت تارے سحر پر کر دیئے قرباں
مگر پھر بھی سحر بے نور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
نہ پیتے ہو نہ یارانہ ہے رندوں سے نہ ساقی سے
تمہاری آنکھ پھر مخمور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
گریباں چاک لب خاموش آنکھیں نم قدم لرزاں
کوئی اس حال میں مسرور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
ھوالحق اور انا الحق میں نمایاں فرق ہے لیکن
انا الحق نعرۂ منصور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

جسے آتے ہی کل تم نے سرِ محفل اٹھایا تھا
وہی اب جانِ محفل طور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے
زمین و آسماں معمور ہیں جب تیرے جلووں سے
ترے جلووں کا مرکز طور کیوں ہے ہم نہیں سمجھے

○

جب سے دیکھی ہے ترے حسن کی ہلکی سی جھلک
بھول بیٹھی ہے مری آنکھ بھی پلکوں کی جھپک
تیری آغازِ جوانی کا یہ عالم جیسے
صبح دم نرم فضا میں کسی غنچہ کی چٹک
آگ پھولوں کی رگ و پے میں لگی دیکھی ہے
کس نے یہ چھیڑ دیا باغ میں رُت کا دیپک

عشق نے وار دیا مجھ پہ جنوں کا مذہب
پیار نے بڑھ کے لگایا مرے ماتھے پہ تلک
حسن پہلے سے کہیں اور بھی بڑھ جاتا ہے
شوخیٔ حسن پہ جس وقت کہ آتی ہے جھجک
اس نے آواز کا کچھ ایسے جگایا جادو
شاخ پر بھول گیا طائرِ خوش رنگ چہک
میں نے چاہا تھا کہ خورشید کی صورت چمکوں
لے اڑی گردشِ حالات مرے رخ کی چمک
اجنبیت کا یہ احساس نہیں موت سے کم
اپنے ہی در پہ مجھے دینی پڑی ہے دستک
اُف! یہ ساون کہ ہرے جس میں ہوئے زخمِ جگر
اُف! یہ کوئل کی صدا جس سے بڑھی دل کی کسک
تجھ کو دیکھے ہوئے گزرا ہے زمانہ لیکن
آج بھی پیشِ نظر ہے ترے پیکر کی دھنک

عشق آیا ہے ترے در کا سوالی بن کر!!
نشۂ حسن میں تو ہاتھ نہ سائل کا جھٹک

طوؔر یوں آہ اٹھی سوختہ دل سے میرے
جس طرح مائل پرواز ہو شعلہ کی لپک

○

عالم نہ پوچھئے کسی عشرت پناہ کا
روشن اک آفتاب ہے داغ سیاہ کا

کرِ ثواب ہے نہ تو خدشہ گناہ کا
یہ بھی عجب کرم ہے کسی کی نگاہ کا

ے میرِ کارواں مرے نقشِ قدم پہ چل
مل جائے گا سراغ تجھے تیری راہ کا

یوانگی میں خاک بسر مجھ کو دیکھئے
عالم نہ پوچھئے مرے حالِ تباہ کا

چھ اور زیادہ اس کی طرف کھنچ گیا ہے دل
الٹا ہوا ہے دل پہ اثر انتباہ کا

ردش میں جام رقص میں مے خوار آگئے
اللہ رے یہ کمال تمہاری نگاہ کا

ہم کو ابھی تو صرف بھٹکنے سے کام ہے
مل جائے گا کبھی تو نشاں تیری راہ کا

کہتے ہیں آفتاب جسے سب جہان میں
نکلا ہے وہ تو عکس غمِ بے پناہ کا

یں نے تری قسم تجھے سب کچھ سمجھ لیا
دل کو نہیں رہا کوئی خدشہ گناہ کا

اے طوؔر دے گیا کوئی داغِ غم فراق
وعدہ تو عمر بھر کے لئے تھا نباہ کا

○

رنگینیٔ بہار ہے ان کے شباب میں
خوشبو کا اہتمام ہو جیسے گلاب میں

کچے گھڑے کی مٹی ملے گی چناب میں
ہو گا اضافہ اور محبت کے باب میں

پردے کی اوٹ میں کوئی شرما کے چھپ گیا
قربت کی خواہشوں کی جھلک اجتناب میں

چاہت بھری نظر کا نشہ کچھ نہ پوچھئے
ایسا نشہ کہاں ہے کسی بھی شراب میں

یہ حسن اتفاق اچانک وہ مل گیا!
جس کی شبیہہ بارہا دیکھی تھی خواب میں

تیرا خیال تیری طلب تیری آرزو
کچھ اس کے ماسوا نہیں دل کی کتاب میں

کہتے ہیں جس کو لوگ زمانہ شباب کا
روشن ہیں سو الاؤ اسی آفتاب میں

وہ دل کہ اس کے سامنے کونین ہیچ ہے
جو دل جھکا خلوص سے اس کی جناب میں

موسیٰ کمی تھی آپ میں تاب نگاہ کی
آئے تو وہ ضرور مگر سو حجاب میں

گر اس کی ہے طلب تو نہ کر خواہشِ بہشت　　　تو ہینِ بندگی ہے یہ اس کی جناب میں
اے طور اس کی ایک جھلک کام کر گئی
پھر چاند چھپ گیا وہ گھنیرے سحاب میں

○

اب فضاؤں میں رچ گئی ہر سو　　　اس کے پیکر کی مدھ بھری خوشبو
اس نے مسحور کر دیا ہے مجھے　　　اس کی آنکھوں کا چل گیا جادو
حسن میں عشق اس طرح پنہاں　　　جیسے غنچہ میں ہو چھپی خوشبو
لے اڑی ہے سکونِ دل میرا　　　آپ کی ایک جنبشِ ابرو
آپ مہندی سے ہاتھ لاکھ رنگیں　　　ہم شہیدوں کا کب چھپا ہے لہو
جب تلک سیپ میں ہے موتی ہے　　　جب گرا آنکھ سے بنا آنسو
یہ غزل بھی ہے اور غزال بھی ہے　　　کتنا دلکش ہے پیکرِ اردو
تجھ کو بتلائیں گے غزل کا مزاج　　　میر و غالب سے جا کے پوچھ کبھو
سرمئی شام کو بھی مہکائیں　　　دوش پر اس کے عنبریں گیسو

حسن کا جو ادا شناس ہوا　　　آسماں اس کا بن گیا ہے عدو
زندگی موت سے گریزاں ہے　　　دشت میں جس طرح رم آہو
طور اس کے بغیر آج تلک
دامنِ زندگی ہوا نہ رفو

○

جلے گا جب نشیمن تو یہاں یہ تبصرے ہوں گے
لگی گی آگ جن سے گھر کو وہ گھر کے دیے ہوں گے
ہوا کا زور ٹوٹے گا تو یہ منظر بھی دیکھو گے
چھتیں بھی اڑ گئی ہوں گی مکاں بھی گر گئے ہوں گے
جو پوچھا حال سے میں نے تو اس نے یہ کہا مجھ سے
جھڑیں گے جب یہ پتے پیڑ آنگن کے ہرے ہوں گے
شکستہ پائی کے شکوے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا
چلو گے تم جو منزل کی طرف کم فاصلے ہوں گے

✡✡

ساقیٔ بیدا بکف گردشِ جام و سبو
محفلِ عیش و طرب زمزمۂ آب جو
بادۂ گلرنگ سے میں نے کیا جب وضو
ہر بُن مو سے اٹھا نعرۂ اللہ ہُو
جرم و خطا میری خُو لطف و عطا تیری خُو
جنبشِ تارِ نفس نغمۂ لاتقنطُوا
کر نہ سکے آج تک چاکِ گریباں رفُو
ہو نہ سکی آج تک ان سے کوئی گفتگو
تو کہ ازل سے رہا جلوہ نما چار سو
پھر بھی ازل سے رہی دل کو تری جستجو

گاہ تری جستجو گاہ اپنی جستجو
مرحلۂ یک نفس عالم صد رنگ و بو
عشق ہے رازِ الست عشق مقامِ الست
عشق سراپا تڑپ عشق ہمہ جستجو
مرأت دل پہ مرے پرتوِ حسنِ ازل
شاہد معنی کو جیسے مرے رُو برو
منزلِ ہر ارتقا میرے تجسّس میں گُم
نقش کفِ پا مرے مرتسم کاخ و کو
برگِ حنا میں نہاں رنگِ شفق سے عیاں
سرخیٔ عارض ترے مرے جگر کا لہو
جرم و خطا پر مرے اس کا نوید کرم
طورِ نوید کرم نغمۂ لاتقنطوا

فسانۂ غم ہستی انہیں سنا نہ سکے
ہزاروں داغ تھے دل میں مگر دکھا نہ سکے

ہم اس پہ خوش تھے بھلا کر انہیں ہوئے آزاد
مگر یہ کیا کہ انہیں آج تک بھلا نہ سکے

کسی کی نسبت الفت سے یہ ہوا محسوس
کسی کو پا کے ابھی تک کسی کو پا نہ سکے

کسی کے غم نے ہمیں اس قدر نحیف کیا
لبوں سے بارِ تبسم بھی ہم اٹھا نہ سکے

وفورِ غم میں جھکا ہوں درِ حبیب پہ سر
اجل بھی آئی منانے تو سر اٹھا نہ سکے

وہ میں ہوں دشتِ محبت کا ایک گم گشتہ
کہ خضرِ راہ جسے آج تک دکھا نہ سکے

گرا کے برقِ تجلّی وہ طورِ سینا پر
نقابِ حسن جہاں سوز سے اٹھا نہ سکے

ہم سراپا غم میں ڈھل کر رہ گئے
خواب آنکھوں میں مچل کر رہ گئے

جن سے تھی ہم کو وفاؤں کی اُمید
دو قدم وہ ساتھ چل کر رہ گئے

بے وفا ہم نے تو دنیا کو کہا
آپ کیوں پہلو بدل کر رہ گئے

تیرگی میں شمع کیا روشن ہوئی
سینکڑوں پروانے جل کر رہ گئے

طور میرے ضبط غم کے باوجود
اس نے پوچھا حال تو آنسو نکل کر رہ گئے

لب پر محبتوں کے ترانے نہیں رہے
کیا عاشقی کریں وہ زمانے نہیں رہے

مالا کسی کی یاد کی پلکوں سے ٹوٹ کر
مٹی میں رُل گئے ہیں وہ دانے نہیں رہے

پھر کیا کسی پہ نقدِ دل و جاں لٹائیں ہم
جب دل میں خواہشوں کے خزانے نہیں رہے

تتلی کے پیچھے بھاگا تو ٹھوکر لگی مجھے
ایسا گرا کہ ہوش ٹھکانے نہیں رہے

پہلے حقیقتیں تھیں دلوں میں خلوص تھا
اب وہ محبتوں کے فسانے نہیں رہے

اب زندگی کی کوئی بھی خواہش نہیں رہی
اب زندگی کے دن وہ سہانے نہیں رہے

پھر کیا کریدنے لگے فصلِ بہار میں
جب طورؔ دل میں زخم پرانے نہیں رہے

*****

ہوش میں مدہوش مدہوشی میں جو ہشیار ہو
رہروانِ شوق کا وہ قافلہ سالار ہو

دھوپ کی شدت سے بہتر چھاؤں ہے مانا مگر
شرط اتنی ہے کہ اپنا سایۂ دیوار ہو

حال سے ماضی بھی وابستہ ہے مستقبل بھی ہے
کم سے کم اتنا تو تیری سوچ کا معیار ہو

عشق کی منزل اسی راہی کو ملتی ہے یہاں
جس کا دل آئینہ، سر زیبِ فرازِ دار ہو

طورؔ کا ارماں بھی ہے حسرت بھی ہے خواہش بھی ہے
پھر نقابِ رخ اٹھے پھر آپ کا دیدار ہو

ہم نے کی ہیں دلِ بیمار کی باتیں ان سے
رات کے پچھلے پہر پیار کی باتیں ان سے

ہم نے تحفے میں گلِ سرخ دیا ہے اُن کو
اور کی ہیں لب و رخسار کی باتیں ان سے

آبشاروں کی طرح آئینے ہیں محوِ کلام
کس نے چھیڑی مرے معیار کی باتیں ان سے

فرطِ حیرت سے عنادل ہیں چمن میں خاموش
کی جو اک شوخ و طرحدار کی باتیں ان سے

ہم نے تاروں کی جبینوں پہ پسینہ دیکھا / رات جب کی ترے رخسار کی باتیں ان سے

طور ہم نے در و دیوار سے باتیں کی ہیں

جب نہ ہو پائی بہم پیار کی باتیں ان سے

○

تنہائی ہے ایسے میں چپکے سے چلے آؤ

یادوں کے جھروکے میں چپکے سے چلے آؤ

ساون کے مہینے میں ارمان مچلتے ہیں

ساون کے مہینے میں چپکے سے چلے آؤ

ویران ہے برسوں سے حلقہ مری باہوں کا

تم باہوں کے حلقے میں چپکے سے چلے آؤ

راتوں کے اندھیرے میں مہتاب صفت بن کر

بادل کے سفینے میں چپکے سے چلے آؤ

پھر عہد وفا باندھو پھر میری قسم کھاؤ

پھر پیار کے رستے میں چپکے سے چلے آؤ

پھولوں کی قبا پہنو خوشبو کی ردا اوڑھو

مہکے ہوئے جلوے ہیں چپکے سے چلے آؤ

الفاظ کے پردے میں کچھ راز کی باتیں ہیں

تم پیار کے سائے میں چپکے سے چلے آؤ

گر طور کی مانو تو اتنی سی گذارش ہے

خوابوں کے جزیرے میں چپکے سے چلے آؤ

○

تڑپ کر دل کو تڑپانا کسی کا / عجب ہے یاد فرمانا کسی کا

مجھے ہے یاد وہ منظر ابھی تک / دمِ رخصت لپٹ جانا کسی کا

مجھے بیگانہ کر جاتا ہے خود سے / تصور میں چلے آنا کسی کا

دلِ ناداں کی تم کیا پوچھتے ہو / دلِ ناداں ہے دیوانہ کسی کا

کوئی محروم ہے چشمِ کرم سے — بھرا جاتا ہے پیمانہ کسی کا
محبت کرنے والے جانتے ہیں — قیامت ہے بچھڑ جانا کسی کا
بس اتنی بات ان سے طور کہہ دے
زباں میری ہے افسانہ کسی کا

○

یہ جو ہے شہکار کس آزر کا ہے — کانچ کے پیکر ہیں دل پتھر کا ہے
ایک ہی مرکز پہ ٹھہری ہے نظر — یہ کرشمہ خوبیٔ منظر کا ہے
پھول ہیں شیشے کہیں پتھر ہیں پھول — یہ تصرف کس حسیں پیکر کا ہے
زندگی میں زندگی کے بعد بھی — جو بھی جھگڑا ہے وہ خیر و شر کا ہے
آج کیوں مغموم ہے ساری فضا — آج ماتم کس کے بال و پر کا ہے
روشنی سے تیرگی گھبرا نہ تو — اک ٹھکانا اب بھی میرے گھر کا ہے
آنسوؤں سے داغِ عصیاں ڈھل گئے — یہ کرم تو داورِ محشر کا ہے
طورؔ حرفِ مدعا کے واسطے — اب تصور اس پری پیکر کا ہے

✿✿

○

بنا رہا ہے سرِ بزم آفتاب مجھے
پلا رہا ہے نظر سے کوئی شراب مجھے
مآلِ عشق جو پوچھا تو اک پتنگے نے
نگارِ شمع پہ جل کر دیا جواب مجھے
اڑا رہے ہیں وہ نیندیں مری نگاہوں سے
دکھا رہے ہیں وہ جلوے حسین خواب مجھے
شبِ فراق کا عالم ارے معاذ اللہ
بسوزِ عشق جلانے کا شباب مجھے
قدم قدم پہ وہ دھوکے دئے زمانے نے
کہ موج موج لگے صورتِ سراب مجھے

کسی کی یاد نے کچھ اس قدر کیا بے تاب
کہ دے رہا ہے سکوں اب تو اضطراب مجھے

مآلِ حسن کا ایسے دیا جواب اس نے
کہ خط میں بھیج دیا خشک سا گلاب مجھے

میں مانتا ہوں کٹھن راہِ عشق ہے لیکن
جنابِ شیخ نہ دیں درسِ اجتناب مجھے

ابھی تو دور ہے ساون کی فتنہ انگیزی
ابھی سے طورؔ جلانے لگا شباب مجھے

○

مائل بہ عرضِ حال ہوا جا رہا ہوں میں — اک پیکرِ سوال ہوا جا رہا ہوں میں

پڑنے لگا ہے جب سے ترا پرتوِ حسیں — آئینۂ جمال ہوا جا رہا ہوں میں

میرا حسیں خیال ہوئے جا رہے ہو تم — کتنا حسیں خیال ہوا جا رہا ہوں میں

یوں مٹ رہا ہوں تیری محبت میں صبح و شام — جیسے کہ لازوال ہوا جا رہا ہوں میں

پیمانۂ حیات چھلکنے لگا مرا — مستِ مئے وصال ہوا جا رہا ہوں میں

اے طورؔ حادثات نے پامال کر دیا
اس پر بھی باکمال ہوا جا رہا ہوں میں

○

مرا ہر نقشِ پا راہِ محبت میں فروزاں ہے
گلستاں در گلستاں ہے بیاباں در بیاباں ہے

ہر اک تعمیر میں تخریب کے آثار ہیں مضمر
ہر اک تخریب میں تعمیر کا پہلو نمایاں ہے

ضرورت ہم کو تیری رہنمائی کی نہیں واعظ
ہماری راہ میں روشن ہمارا داغِ عصیاں ہے

سبق ہر گام ہم کو آبلہ پائی یہ دیتی ہے
بیاباں پھر بیاباں ہے گلستاں پھر گلستاں ہے

مثالِ آئینہ دل صاف رکھتا ہوں کدورت سے
حقیقت طورؔ یہ ہے کہ مرا دل بھی مسلماں ہے

○

آپ کے جلوے شمس و قمر ہیں — اہلِ محبت اہلِ نظر ہیں
شام جدائی جھلمل جھلمل — کچھ آنسو کچھ داغِ جگر ہیں
آج کا یہ معیارِ ادب ہے — کانچ کے ٹکڑے لعل و گہر ہیں
عشق کا دریا آگ کا دریا — تیرنے والے خاک بسر ہیں

طورؔ کسی کے عارض و گیسو
صبح و مسا ہیں شام و سحر ہیں

○

دل میں وہ رنگِ آرزو نہ رہا — عالمِ ذوقِ جستجو نہ رہا
پہلے ہر بات میں نزاکت تھی — اب وہ اندازِ گفتگو نہ رہا
میری آنکھوں میں روشنی نہ رہی — جب سے پیشِ نگاہ تو نہ رہا
آنسوؤں میں بھی وہ تپش نہ رہی — یا مرے دل میں اب لہو نہ رہا
رونقِ مے کدہ بھی ختم ہوئی — دستِ رنداں میں بھی سبو نہ رہا
آپ ہم اپنی ذات کے دشمن — غیر اپنا کوئی عدو نہ رہا
جن کے مُردہ ضمیر ہیں ان میں — کوئی احساسِ رنگ و بو نہ رہا
اُس میں پہلی سی کوئی بات نہیں — اب وہ پہلا سا خوبرو نہ رہا
صبح دم تیرے ذکر کی خاطر — کوئی غنچہ بھی بے وضو نہ رہا

آج تک طورؔ روزِ اوّل سے
عشق پابندِ کاخ و کو نہ رہا

میری تقدیر نے کیا کیا نہ اُگائے پتھر
ٹھوکریں جب بھی لگیں ہاتھ میں آئے پتھر

ہم نے سو بار تری چاہ میں کھائے پتھر
پھول کو ہاتھ لگایا تھا کہ آئے پتھر

اس ترقی کے زمانے میں بھی دیکھا ہے یہی
لوگ بیٹھے ہیں دکانوں میں سجائے پتھر

کبریائی کے ہر اک دعوئ باطل کا مآل
اپنی ہی جھونک میں اونچائی سے آئے پتھر

پتھروں سے مری دھرتی کو سجانے کے لئے
چاند پر لوگ گئے چاند سے لائے پتھر

رشتۂ سنگ پسِ مرگ بھی قائم ہی رہا
طوؔر قسمت نے مری ایسے لگائے پتھر

☆☆

شتاقِ دید چشم سراپا نہ ہوا ہو — محوِ جمال خود بھی تماشہ ہوا نہ ہو
یری نظر کو ایسے ہی جلوے کی ہے تلاش — آلودۂ نگاہ جو جلوہ ہوا نہ ہو
س سرزمین پہ مجھ کو بھی لے چل جنونِ شوق — جس سرزمیں پہ خونِ تمنا ہوا نہ ہو
ر داغِ دل کو میں نے جلایا ہے اسلئے — شاید کسی کے گھر میں اجالا ہوا نہ ہو
بات کیسے مان لوں فصلِ بہار میں — خونِ شہید لالۂ صحرا ہوا نہ ہو
ے ساربانِ ناقۂ لیلیٰ ادب سے چل — دیوانہ کوئی راہ میں سویا ہوا نہ ہو

وہ سامنے ہوں طوؔر تو ممکن نہیں ہے پھر
دیوانگی میں اور اضافہ ہوا نہ ہو

اس تشنگی جو دلوں میں بڑھا نہ ہو — ساقی نہ ہو شراب نہ ہو میکدہ نہ ہو
ی نوائے غم سے ہر اک گل ہے آتشیں — دامن صبا کا نکہتِ گل سے جلا نہ ہو
صور بن کے دار و رسن کو گلے لگا — اس واسطے کہ موت کو تجھ سے گلہ نہ ہو

ہر اک نفس کا فاصلہ توہینِ قرب ہے
مل خود سے اس طرح کہ کوئی فاصلہ نہ ہو

خوفِ عدو نہیں مرے دل میں بلاسبب
محوِ جمالِ یار کہیں آئینہ نہ ہو

وہ شخص جس نے دل کو کیا روشناسِ غم
نظروں سے چاہے دور ہو دل سے جدا نہ ہو

اے طورؔ میکدہ پہ گھٹاؤں کا رقص ہے
ساغر بدست آج کوئی پارسا نہ ہو

○

شہیدِ ناز ہوتا جا رہا ہوں
کسی کا راز ہوتا جا رہا ہوں

جمالِ یار کا پرتو ہے شاید
سراپا ناز ہوتا جا رہا ہوں

کسی کے دل پہ سوزِ عشق بن کر
اثر انداز ہوتا جا رہا ہوں

تخیل میں بلندی آ رہی ہے
پرِ پرواز ہوتا جا رہا ہوں

جو اہلِ دل کو کر دے طورؔ مضطر
میں وہ آواز ہوتا جا رہا ہوں

✿✿

○

وہ میرا کنجِ تنہائی وہ تیری یاد کا عالم
قفس میں جیسے ہو اک طائرِ ناشاد کا عالم

مری بربادیوں کا جشن ہے بزمِ رقیباں میں
کبھی تو آئے گا ان پر بھی یہ افتاد کا عالم

جو آنسو بن کے ڈھلتا ہے نگاہِ یاس و حرماں سے
تیری فرقت میں کچھ یوں ہے دلِ برباد کا عالم

تڑپ آخر ہماری رنگ لائی مختصر یہ ہے
کہ جو ہے صید کا عالم وہی صیاد کا عالم

کچھ نہیں ہے جز بیادِ رفتگاں باقی یہاں
جیسے پیچھے کارواں کے ہو غبارِ کارواں

کیوں نہ ہو ہم کو اسی ساقی کی اب پیہم تلاش
جس کا اک ساغر عطا کر دے حیاتِ جاوداں

توڑ کر زنجیرِ پا صحرا کو دیوانہ چلا
ناقۂ لیلیٰ نے شاید کوئی چھوڑا ہے نشاں

ہم نہ اربابِ نظر نے صاحبِ علم و ہنر
ہم مگر ٹھہرے سزاوارِ مذاقِ آسماں

ہائے وہ صیاد جس نے نوچ ڈالے بال و پر
ہائے وہ برقِ تپاں جس نے جلایا آشیاں

طورؔ سے کیا پوچھتے ہو دردِ دل کا ماجرا
خشک جب آنسو ہوئے آنکھیں ہوئی ہیں خونچکاں

حالات ایسے آج کل ہیں
قدغن لبوں پہ ہاتھ شل ہیں

بربادیوں کا غم عبث ہے
قسمت کے فیصلے اٹل ہیں

جیون وہ جھیل ہے کہ جس میں
اُمید و آس کے کنول ہیں

اِک میری عرضِ حال سُن کر
ان کی جبیں پہ کتنے بَل ہیں

ہیں کشتگانِ زندگی ہم
کچھ لوگ کشتۂ اجل ہیں

ہم طورؔ شورشِ جہاں میں
مصروفِ گیسوئے غزل ہیں

حصّہ

نظم

اس کی آنکھیں جھیل سے گہری اس کا مکھڑا چاند
پھول سا کومل اس کا پیکر وہ دھرتی کا چاند

جاگتی آنکھ سے ہم نے کل یہ سندر سپنا دیکھا
گہری جھیل میں جھلمل کرتا کنول کٹورا چاند

شہرِ طرب میں رہنے والا اک موتی انمول
دردِ محبت دینے والا ایک مسیحا چاند

میں اک نردھن پریم پجاری میرا من ہے چکور
کرنوں کا دھن وان فلک پر صرف اکیلا چاند

اس کی زلفیں لمبی جیسے سردی رُت کی رات
اس کا چہرہ ان زلفوں میں گورا گورا چاند

چندا ہے آکاش پہ لیکن اُس میں کہاں یہ بات
دھرتی کے اس چاند کا ہر اک نقشِ کفِ پا چاند

کنول اور جھیل

سحر کے رنگ میں ظلمت بھی ہو گئی تحلیل گجر ہے صبح کا تارا اذاں ہے بانگِ رحیل
یہ سب سے اس نے کہا آؤ ایک ہو جاؤ کٹھن ہے وقت کڑی ہے دھوپ راستہ ہے طویل
وہ اس اصول صداقت پہ کاربند رہا کہ جس اصول میں کوئی لچک نہ لوچ نہ ڈھیل
نحیف جسم مگر عزم کا ہمالہ تھا شعور و فکر سے روشن جو کر گیا قندیل
تمام رات وہ جاگا تھا قوم سوئی تھی اس ایک غم میں غلامی کے دور کی تفصیل
تھی اس کی سوچ زمیں کے لئے فلک پیما تھی اس کی فکر رسا مثلِ شہ پرِ جبریل
ہر ایک نقشِ وفا اس کا آج بھی روشن ہر ایک نقشِ قدم اس کا اب بھی سنگِ میل
کسی سے ہو نہ سکا اس نے ایسا کام کیا کوئی بھی کر نہ سکا ملک و قوم کی تشکیل

غرض نہ تھی اسے گنگ و جمن کے پانی سے وہ تھا فرات کا تیراک وہ شناورِ نیل
بہت سے آئے قیادت کے واسطے لیکن ملی یہ اس کو سعادت بہ فضلِ ربِّ جلیل
خراج کیا دوں اسے سوچتا رہا شب بھر ندا یہ آئی وہ ہے اپنی عظمتوں کی دلیل
بدل دیا ہے زمانے کی سوچ کو اس نے اگر یہ سچ ہے تو پھر کس لئے کوئی تاویل
سیاستوں کے پجاری گرے ہیں منہ کے بل صنم کدہ میں اذاں ہے کہ صورِ اسرافیل
وطن کو اس نے دیا اپنی جاں کا نذرانہ ہوئی تو ایسے ہوئی اس کے عشق کی تکمیل

کیا جو غور تو مجھ پر کھلا ہے طوؔر یہ بھید
ہے اس کی ذات کنول سرزمینِ پاک ہے جھیل

علامہ اقبالؒ کی یاد میں

تیری فکرِ رسا کی یہ تمہید — تو نے ذروں کو کر دیا خورشید
تیرے خامے سے زندگی رقصاں — ظلمتِ شب میں روشنی رقصاں
حاصل زندگی ترے اشعار — مصدر روشنی ترے اشعار
ان بہاروں میں رنگ تو نے بھرا — لالہ زاروں میں رنگ تو نے بھرا
طبعِ خاموش اس طرح پائی — عاجزی میں شکوہ دارائی
یہ تقاضہ کہ دقت کو بدلیں — عزم سے اپنے بخت کو بدلیں
یہ مضامین کی فراوانی — جیسے دریا میں جوشِ طغیانی
تیرے آئینۂ تخیل میں ! — ہے اگر تابِ دید تو دیکھیں
یوں نظر آئے چرخِ ناہنجار — نوکِ سوزن سے نقطۂ صوفار
آسماں ، آسماں نہ کہلائے — بیضۂ مور سا نظر آئے
تیشۂ فکر جب چلاتا ہے — جوئے مضموں نکال لاتا ہے

رازدارِ حقیقتِ عرفاں — تیری وسعت میں لامکان و مکاں
کار زارِ حیات کا غازی — خود شناسی میں صورتِ رازیؒ
خوش کلامی ہے تیری گویائی — بزمِ وحدت ہے تیری تنہائی
نکتہ رس نکتہ بیں و نکتہ شناس — تیرے ہوش و خرد کی ہے یہ اساس
تو نے نکتہ کی بات بتلا کر — رازِ موت و حیات بتلا کر
عظمتِ زندگی کو سمجھایا — بے خودی کو خودی کو سمجھایا
نخلِ ہستی کو کر گیا سیراب — زندگی تیری تھی مثالِ سحاب
آپ میں گم رہا جہاں بھی رہا — اک تلاطم رہا جہاں بھی رہا
نغمہ چھیڑا ربابِ ہستی پر — رشک کرتی ہے اوج پستی پر
فکر کو تو نے طرزِ نو بخشی — شمعِ کشتہ کو پھر سے لو بخشی
پیرِ رومیؒ سے درس تو نے لیا — چاکِ دامانِ آگہی کو سیا
تو نے کھولے ہیں زندگی کے راز — مشعلِ نور ارمغانِ حجاز

فکرِ اقبال کے یہ گنجِ عظیم
طورِ بانگِ درا و ضربِ کلیم

حضرتِ قبلہ ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کے حضور

فقیہہ و ادیب و مفسر کرم — محدث، مدبر، مفکر کرم

ضیاء النبی کے مصنف کرم — مضامینِ عشق کے مؤلف کرم

بلا کی روانی ہے تحریر میں — وہ گنجِ معانی ہے تحریر میں

وفا آشنا، منصف و حق شناس — ہے عشقِ نبیؐ ان کے غم کی اساس

یہ بانیٔ بستانِ علم و ہنر — سلوک و طریقت کے ہیں راہبر

بزرگانِ اسلاف کی یادگار — خلوص و محبت کے آئینہ دار

بہت سادہ لیکن بہت پُر وقار — عمل سے ہے عشقِ نبیؐ آشکار

کشادہ جبیں چہرہ پُر نور ہے — نظر جامِ وحدت سے مخمور ہے

نگاہوں میں طیبہ کے جلوے نہاں — محبت کے اسرار ان پر عیاں

جمالِ نبیؐ سے یہ معمور ہیں — حجاباتِ ظاہر میں مستور ہیں

وہ سورج جو چمکا تھا ملتان میں — ہے اُس کی کرن اس دبستان میں

حریفِ شبِ تیرگی یہ کرن — اجالے کی داعی سخن در سخن

صداقت کا پیکر کرم شاہ ہیں — محبت کا مظہر کرم شاہ ہیں

امیر[1] و محمد[2] کی یہ جان ہیں — قریشی نسب ہیں یہ ذیشان ہیں

کرم کی کرم باریاں قوم پر — ہمہ وقت، دن رات شام و سحر

نظر جب ہوئی پیر لجپال کی — حقیقت کھلی قلب پر حال کی

بفیضِ قمر صد نگیں ہو گیا — یہ گل ایسا مہکا چمن ہو گیا

محبت سکھاتی ہے جینے کا ڈھب — محبت کا پہلا قرینہ ادب

جدھر دیکھیے مظہرِ نور ہے
یہاں ہر طرف جلوۂ طور ہے

---

[1] پیر امیر السالکینؒ - دادا جان قبلہ پیر کرم شاہ صاحب

[2] پیر محمد شاہؒ صاحب - والد صاحب پیر کرم شاہ صاحب

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی عظیم تصنیف

ضیاء النبی کیلئے چند اشعار

بیانِ عشق میں روشن ہے یوں ضیائے نبی — کہ جیسے بام فلک پر ہے نقش پائے نبی
سلیس دل کش وسادہ شگفتہ طرزِ سخن — گلوں سے جیسے مزین بہار کا دامن
کیا ہے یوں سرِ قرطاس حرف حرف رقم — کہ جیسے پھول کی پتی پہ قطرۂ شبنم
ہر ایک لفظ میں کیف و سرور کی باتیں — ہر اک ورق پہ سراپائے نور کی باتیں
یہ وہ کتاب ہے جسکی کوئی مثال نہیں — کہ اسمیں عشق کی باتیں ہیں قیل و قال نہیں
ضمیرِ عشق و وفا سے نکل کر آئی ہے — نبی ﷺ کے نور کے سانچے میں ڈھل کے آئی ہے
فقیہہ، پیر طریقت، ادیب لاثانی — نبی ﷺ کے نور سے روشن ہے جسکی پیشانی
جہانِ عشق بھی ان کے کرم سے روشن ہے — چراغِ علم و ادب انکے دم سے روشن ہے

خلوصِ دل سے ضیائے نبی ﷺ پہ ڈال نظر
ملے گی طور ترے دل کو روشنی سحر

بیادِ

مولانا حسرت موہانی

وہ حسرت سادگی کا وہ مرقعہ وہ وفا پیکر — محبت کا اجالا علم کا معدن ہنر پرور
سیاست کا دھنی دل کا کھرا اسلاف کا پرتو — وہ میرِ کارواں منزلِ نشاں تعبیرِ صبحِ نو
یہ لازم ہے رہِ ہستی کی اس کو روشنی کہئے — اسے اپنے زمانے کا قطب کہیے ولی کہئے
کتابِ آگہی کا ایک عنوانِ جلی وہ تھا — کہ زندوں میں فقط آئینہ دارِ زندگی وہ تھا
نہ آئی تھی کبھی کوئی کمی اس کے تدبر میں — اضافہ کر گئی تھی سادگی اس کے تفخر میں
رہا دنیا میں اس کا آخری دم تک یہی عالم — ہر اک کا غمگسار و چارہ ساز و مونس و ہمدم
وہ تھا دیوانہ لیکن ہر گھڑی ہشیار رہتا تھا — بپاسِ عشق سوزِ درد سے بیدار رہتا تھا
وہ انسانوں پہ رازِ زندگانی کھولنے والا — وہ میزانِ محبت میں دلوں کو تولنے والا

سنت کرنے والوں کا وہی تھا رازداں جیسے ہے اس کی داستانِ غم ہراک کی داستاں جیسے
یفوں کو سدا اس کی خودی کا معترف پایا کہ اس نے زندگی بھر پہ پرچمِ انصاف لہرایا
ہ ملک و قوم کا رہبر بھی تھا اور ایک شاعر بھی مفکر بھی مقرر بھی زبان و فن کا ماہر بھی
حضورِ حسن میں رہتا تھا ہردم دل جواں اسکا بہت سادہ بڑا دلکش ہے اندازِ بیاں اسکا
ھنک ساون کی رت رنگِ بہاراں اور دلآویزی غزل میں جذب و مستی، کیف و مدہوشی جنوں خیزی
زل میں میرؔ کا انداز ہے مومنؔ کا لہجہ ہے کہیں غالبؔ کا اسلوبِ سخن معلوم ہوتا ہے
باں اس کی ڈھلی ہے کوثر و تسنیم و زمزم سے مسیحائی ملی ورثہ میں اس کو ابنِ مریم سے
فصاحت میں بلاغت میں وہ یکتا تھا یگانہ تھا وہ اپنے دور کا حافظؔ تھا سعدیؔ زمانہ تھا

امیرؔ و داغؔ جیسا نکتہ سنج و نکتہ داں کہئے
کہ اس کو طورِ ایوانِ غزل کا پاسباں کہئے

منقبت

حضرت میاں محمد عبدالحفیظ صاحب

ڈیرہ حضرت میاں صاحب کدھر شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

اے حفیظؔ محرمِ اسرارِ حق تجھ سے قائم ہے یہاں معیارِ حق
تو کہ تھا ہر بزم کا روشن چراغ زندگی کا تجھ سے ملتا تھا سراغ
تو مداوائے دلِ بے تاب تھا تو محبت کا درخشاں باب تھا
تو بزرگانِ سلف کی یادگار تیرے دم سے بے قراروں کو قرار
خدمتِ انسانیت کو مستعد تیرا ہر چھوٹا بڑا تھا معتقد
تو کہ میرِ کاروانِ معرفت گفتگو تیری نشانِ معرفت
مہرباں مخلص محبت آشنا تیری ہستی منبعِ جود و سخا
آفتابِ افتخار تیرا وجود مرأتِ اہلِ صفا تیرا وجود
دل ترا تھا مہبطِ انوارِ حق آنکھ ہر دم مائلِ دیدارِ حق

صُلح جوئی تیرا مسلک تیری خُو
میٹھی میٹھی پیاری پیاری گفتگو

باتوں باتوں میں طریقت کے اصول
زندگی کا ماحصل عشقِ رسُولؐ

ہر ولی تیری محبت کا شکار
ہر ولی کو تجھ سے الفت تجھ سے پیار

تو کہ پابندِ شریعت تا حیات
سب پہ تھا تیرا برابر التفات

ما عَرَفَ تھا تیرا ادراکِ خودی
تیری شب بیداریاں ذکرِ خفی

قادری چشتی سہروردی بھی تو
نقشبندی سلسلے کی آبرو!

تو کشادہ دل کشادہ دست تھا
بادۂ توحید سے تو مست تھا

تو لطافت کا نفاست کا امیں
نورِ ایماں سے تیری روشن جبیں

اہلِ دل میں منفرد تیرا مقام
تو غلامانِ محمدؐ کا غلام

تو گلستانِ سعیدی کا تھا پھُول،
تیرے دل میں عظمتِ آلِ رسولؐ

تو سُہیل چرخِ عرفانِ خُدا
تیرا سایہ صورتِ ظلِّ ہُما

تیرے آگے سالکانِ خرقہ پوش
صورتِ تصویر رہتے تھے خموش

تیری بزمِ ناز میں ذکرِ حبیب
کوئی پیاسا جیسے دریا کے قریب

ذکرِ احمدؐ تیری رگ رگ سے عیاں
اے مآلِ زندگی کے رازداں

کو بہ کو تیری وفاؤں کی مہک
خلق تیرا جیسے سورج کی چمک

تُو جنیدؒ وقت تھا منصورؒ تھا
تیرا سینہ عشق سے معمور تھا

تُو شرافت کا علم بردار تھا
تو سراپا جذبۂ ایثار تھا

تُو حقیقت سے مزیّن روشنی
تو چراغِ رہگزارِ آگہی

تُو حریفِ تیرگیٔ بوجہل
معرفت کی جھیل کا تازہ کنول

اے شعاعِ مہر اے روشن ضمیر
اے شہنشاہِ ولایت کے سفیر

رات دن صبح و مسا شام و سحر
ہم غریبوں پر بھی الفت کی نظر

صورتِ فرہاد متوالوں میں ہیں
ہم بھی تیرے چاہنے والوں میں ہیں

شاہد و فرّخ ترے عکسِ جمیل
سالکانِ معرفت کے سنگِ میل

تیری تقریروں میں دل کا درد تھا
تو کہ میدانِ وفا کا مرد تھا

تیری ہستی مرجعِ ہر خاص و عام
تیری عظمت کو مرا جھک کر سلام

طورؔ سے پُوچھے کوئی تیرا فراق
زندگی سے موت کا ہے انطباق

محترم جناب صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب
(پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ) کی خدمت میں

تو مردِ جری ہے

سر خیل بصد قافلۂ اہلِ وفا ہے — منزل کا نشاں تیرا نقشِ کفِ پا ہے
اللہ کا تجھ پر یہ کرم حد سے سوا ہے — اسلام کی خاطر جو ترا دستِ سخا ہے
تو ابنِ سخی، ابنِ سخی، ابنِ سخی ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

تو پیکرِ اخلاص و محبت کا دھنی ہے — اور دل میں ترے جذبۂ حب الوطنی ہے
تصویرِ کرم عاشقِ مکی مدنی ہے — ہر قول ترا صورتِ درِّ یمنی ہے
آئینہ صفت قلب ہر بات کھری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

خورشید سے تمثیل تری بے ادبی ہے — یہ شان تری تو کہ قریشی نسبی ہے
اک آتشِ غم جو ترے سینے میں دبی ہے — تو مستِ مئے عشقِ رسولِ عربی ہے
ہر لفظ کے در پردہ ہی جلوہ گری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

تقریر تری آئینہ بالغ نظری کا — یہ دور ہے آشوب کا آشفتہ سری کا
ہے چار طرف شور تری بے جگری کا — اربابِ سیاست کی عجب فتنہ گری کا
گردش میں جام رقص میں پھر لال پری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

ملت کی کوئی فکر نہ احساسِ وطن ہے — جس سمت نظر ڈالیے پامال چمن ہے
ہر شخص یہاں اپنی ہی دنیا میں مگن ہے — ہر شخص نے اپنایا فرنگی کا چلن ہے
لوگوں کی زمانے میں عجب بے ہنری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

اغیار یہاں دشمنِ ایمان بنے ہیں — کل تک جو بھکاری تھے وہ سلطان بنے ہیں
فرعون صفت صاحبِ فرمان بنے ہیں — پھر اس پہ ستم یہ وہ نگہبان بنے ہیں
صد حیف کہ اس بات پہ بھی بے خبری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

اسلام میں ہے طور ہر اک غم کا مداوا — جینے کی ادا پیار میں مرنے کا سلیقہ
ہر اہلِ نظر، صاحبِ دل، مثلِ مسیحا — داتا ہو کہ خواجہ ہے رواں فیض کا دریا
ان کے درِ اقدس پہ سدا چارہ گری ہے
تو مردِ جری، مردِ جری، مردِ جری ہے

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے استاذ ہمارے کلیگ مولانا محمد رمضان صاحب کی نوجوانی میں وفات حسرت آیات پر منظوم تاثرات

حادثہ ناگہاں ہوا ایسا ! داغِ فرقت وہ دے گیا ایسا
ماں سے ملنے کے واسطے وہ چلا اور سب سے بچھڑ گیا ایسا
بڑھ گئی تیرگیٔ شامِ الم اک روشن دیا بجھا ایسا!
کرچیاں دِل میں ہوگئیں پیوست گر کے ٹوٹا وہ آئینہ ایسا

تیرے غم میں نڈھال پیرِ کرم تو کہ چپکے سے جا چھپا ایسا
جیسا رمضان تھا زمانے میں ہے کوئی آج باوفا ایسا ؟

اک تری مرگِ ناگہانی سے آج پیدا ہوا خلا ایسا
تجھ پہ فیضِ کرم کی بارش ہے تو نے پایا ہے راہنما ایسا
پھول سے جیسے ہو جدا خوشبو تو کہ ہم سے بچھڑ گیا ایسا
باغِ ہستی کا اک گلاب تھا تو تجھ کو کس نے مسل دیا ایسا
تیری صورت کو ہم ترستے ہیں تو کہ ہم سے جدا ہوا ایسا
ہر گھڑی لب پہ مسکراہٹ تھی خوبصورت جوان تھا ایسا
سارے ساتھی ہیں اشکبار ترے کچھ کہے بن چلا گیا ایسا
نرم لہجے میں بات رک رک کر ترا انداز تھا بھلا ایسا

ڈھونڈ کر دکھلا بھرے زمانے میں
کون ہے پیکرِ وفا ایسا

بیاد

ساؔغر صدیقی مرحوم

ساؔغر کہاں جو بادۂ وحدت پرست تھا اپنے خیال اپنی ہی دنیا میں مست تھ
پروازِ فکر اس کی تھی جبریل کی طرح اس کا کہا ہے آج بھی انجیل کی طر
ہر شعر اس کا فکر کی گہرائیاں لیے اس کا وجود بحر کی پہنائیاں لے
وہ رہروانِ شوق کو بانگِ رحیل تھا نمرود کے الاؤ میں مثلِ خلیل تھ
لفظوں میں اس نے کھینچ دی تصویرِ کائنات اس کا کہا ہے وقت کا سرمایۂ حیا
قطرے کو اس سے موج کی جولانیاں ملیں ذرے کو آفتاب کی تابانیاں ملی
اک روحِ عشق پھونک دی لفظ و بیان میں ایسی کہی ہے نعت محمدؐ کی شان
تیشہ بکف وہ مستعد جوئے شیر تھا سودائیِ غزل تھا وہ مردِ فقیر تھ
کچھ اس قدر مگن تھا وہ اپنے خیال میں ماضی کا قیس خاک بسرِ دشتِ حال میں
دل کا خلوص عشق کا فرمان دے گیا اچھے برے کی آنکھ کو پہچان دے گ

ایک بت تراش تھا اور بت شکن بھی تھا
خلوت میں اپنی رونقِ صد انجمن بھی تھا

شمعِ ادب پہ صورتِ پروانہ جل گیا
احساسِ غم کی آگ میں دیوانہ جل گیا

ھتے ہوئے وہ صبح کے آثار دے گیا
ہم کو نویدِ جذبۂ بیدار دے گیا

پیکرِ خلوص تھا اور جاں نثار بھی
تصویرِ حزن و یاس بھی تھا دل فگار بھی

ریکیوں میں شمعِ وفا کی جلا گیا
صبحِ بہار بن کے زمانے پہ چھا گیا

رہ شبیٔ زیست میں رنگِ سحر بھرا
اس نے غزل کی مانگ میں خونِ جگر بھرا

نمے سکھائے عشق کے ہر عندلیب کو
بوسے دیتے ہیں بڑھ کے خود اپنے صلیب کو

لم و ادب کا قافلہ سالار اٹھ گیا
انسانیت کا ایک پرستار اٹھ گیا

الہ کے پھول داغِ تمنا لئے کھلے
اس کی لحد پہ دیدۂ بینا لئے کھلے

سکوں کے ہار لائی ہے پلکوں میں سول کر
اس کی لحد پہ آئی غزل بال کھول کر

اے طورؔ غمگسار تھا وہ اہلِ درد تھا
"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

سابق وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے حضور
تو مردِ یقیں ہے

تاروں سے بھی روشن تری تابندہ جبیں ہے
فولاد سے مضبوط ترا عزم و یقیں ہے
تو مردِ مجاہد ہے، گلستاں کا امیں ہے
اور تیرا کوئی مد مقابل بھی نہیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

پتھر کا جگر سینکڑوں جھرنوں کا امیں ہے
یہ ظرف کسی شیشۂ نازک میں نہیں ہے
اللہ کا جس دن سے کرم تیرے قریں ہے
تو پیکرِ اخلاص ہے دل تیرا حسیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

پنجاب کا گر شیر تجھے کہیئے بجا ہے!
ہر آن غریبوں کے لیے دست دعا ہے
فطرت میں تری بغض نہیں خوئے وفا ہے
تو ملتِ بیضا کا شبانی ہے امیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

کردار ترا صورتِ آئینہ ہے شفاف
روشن ہیں مثالِ مہ و انجم ترے اوصاف
یکساں تھی غریبوں پہ تری بارشِ الطاف
منت کشِ احساں ترا بستی کا مکیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

اسلام کا جب تک تو وفادار رہیگا
یہ ملک ترے دم سے ضیاء بار رہیگا
ہر شخص یہاں صاحبِ کردار رہیگا
سرچشمۂ اخلاق یہی دینِ مبیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

اربابِ سیاست کو ضرورت ہے وفا کی　　مٹتا ہے کسی ذات پہ تمہید بقا کی
پھر طوعِ ہوا کرتی ہے تائید خدا کی　　دانے کی حقیقت میں بقا زیرِ زمیں ہے

تو مردِ یقیں، مردِ یقیں، مردِ یقیں ہے

اندیشہ

جب سنی ہوگی کہیں اس نے مری کوئی غزل　　اشک پلکوں پہ لرزتے ہوئے آئے ہونگے
اس کے چہرے پہ المناک اداسی ہوگی　　شام تنہائی کے بڑھتے ہوئے سائے ہونگے

غم میں ڈوبی ہوئی شہنائی کی آواز سے وہ　　مضطرب ہوگی بہت روئے گی گھبرائے گی
بند آنکھوں میں سمٹ آئے گا ہر خوابِ حسیں　　اور وہ ماضی کے چمن زار میں کھو جائے گی

بال بکھرے ہوئے ہونگے شبِ تیرہ کی طرح　　اور لبوں پر کوئی خاموش فسانہ ہوگا
زخمِ دل ہوگا ہرا موسمِ گل کی صورت　　رات دن غم میں تڑپنے کا زمانہ ہوگا

دیکھتی ہونگی مجھے چار سو اس کی آنکھیں
اور بھٹکتی ہوئی نظروں میں بھی شکوہ ہوگا
یہ بھی ممکن ہے علاجِ دلِ پُرغم کے لئے
میری تصویر کو سینے سے لگایا ہوگا

یہ بھی ممکن ہے کہ ہم راز سہیلی کوئی
اس کی دلجوئی کرے غم سے اسے باز رکھے
یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا کوئی ہمراز نہ ہو
یہ ممکن ہے کہ وہ راز کو بس راز رکھے

یہ بھی ممکن ہے اسے نام مرا یاد نہ ہو
یہ بھی ممکن ہے ہر اک خط بھی جلا ڈالا ہو
آتشِ عشق میں جلنے سے بھلا کیا حاصل
اس نے یہ سوچ کے ماضی کو بھلا ڈالا ہو

یہی اندیشہ جگاتا ہے شب و روز مجھے
یہی اندیشہ مرے قلب کا ناسور بنا
طور احساس کی سولی پہ لٹکنے کے لئے
میرا ہر تارِ نفس پیکر منصور بنا

ستمبر ۱۹۹۲ء کے متاثرینِ سیلاب کی التجا

کچے مکان گر گئے ہیں!
پانی میں لوگ گھر گئے ہیں
محتاج ہو گئے ہیں سارے
یہ غم زدہ یہ دکھ کے مارے
بچے نڈھال بھوک سے ہیں
سب پائمال بھوک سے ہیں

سیلاب سے بنی یہ حالت؟
سر پر ہے آسمان کا چھت
کھانے کو بھی نہیں ہے روٹی
اور جسم پر فقط لنگوٹی

اسباب بہہ گیا ہے سارا
اب کوئی بھی نہیں سہارا
بھینسیں بھی بہہ گئی ہیں ساری
گائے بکریاں پیاری
گھر کا نشان رہ گیا ہے
بچہ جوان بہہ گیا ہے
بچی کو کیسے اب بیاؤں
اس کا جہیز کہاں سے لاؤں
مفلس پہ یہ قیامتیں کیوں
یا رب بتا یہ آفتیں کیوں
بیوی بھی ہو گئی ہے بیمار
پیسے نہیں ہیں پاس دو چار
مر جائیں تو کفن نہیں ہے
غربت ہے پاس دھن نہیں ہے
کچا مکان تھا اثاثہ
اب کون دے بھلا دلاسا

ہر سانس زندگی پہ بھاری سب کچھ تھا کل، ہیں آبھکاری
سیلاب تو گزر گیا ہے لیکن غریب مر گیا ہے
اس دکھ سے پیٹھ جھک گئی ہے سینے میں سانس رک گئی ہے
آنکھوں میں اشک تھم گئے ہیں پتھر کی طرح جم گئے ہیں
یارب دعا قبول کرنے دریا زمیں پہ دھول کر دے
اللہ سے یہ التجا ہے
مفلس کی طور یہ دعا ہے

بسنت بہار

سندر سپنے آنکھ میں جاگے انگڑائی لے پیار
پریتم بن ہے سونا جیون سونا یہ سنسار
اڑتے پنچھی پریم سندیسہ لے جا ندیا پار
جگ میں امر ہے پیار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

ٹھنڈی ہوائیں ڈولے نیاّ ہلکی ہلکی پھوار
رُت ہے بھیگی شام سہانی پریتم ندیا پار
گیت مدھر یہ پیار کی لے پر گائے کھیون ہار
بیڑا ہووے پار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

رنگ برنگی تتلی کھیلے پھولوں کی خوشبو سے
ڈالی ڈالی بھنورا گھومے پھولوں کا رس چوسے
تجھ بن میری پلکیں بھیگیں کوئل کی کو کو سے
جینا ہوا دشوار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

تجھ بن اب تک کھلے نہ من کی آشاؤں کے پھول
چلتے چلتے ٹھوکر کھائی راہ گیا میں بھول
میں اک ایسا راہی جس کی جھولی میں ہے دھول
قسمت میں ہے ہار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

دھرتی پر ہے سرسوں پھولی نیل گگن پر تارے
پھول کھلے ہیں ڈالی ڈالی دلکش ہیں نظارے
تجھ بن کیسے جیون بیتے کیسے کٹیں دن پیارے
سن لے مری پکار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

تو کیا روٹھا دنیا روٹھی کوئی نہیں ہے اپنا
آنکھوں نے دیکھا تھا میری پیار کا جھوٹا سپنا
آج بھی میرا کام ہے تیرے نام کی مالا جپنا
تو ہے میرا پیار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

ٹوٹ گیا ہے آس کا بندھن جی سے گیا ہے قرار
من ہے گھائل ہاتھ بھی زخمی گیا ماہی ملہار
کھیتے کھیتے ہاتھ تھکے اور چھوٹ گیا پتوار
ناؤ پھنسی منجدھار
رے، ماجھی آئی بسنت بہار

جھوٹے سپنے

کالے بادل جھوم کے آئے
ساون کی رنگینی آئی
لے کے ہنڈولے ہولے ہولے
اک پپیہا ڈول رہا تھا
ڈالی ڈالی گھوم رہا تھا
دھیرے دھیرے قدم بڑھائے
جیسے کوئی نار نویلی !

نیل گگن سے مینہ برسائے
لی ہے کلیوں نے انگڑائی
شاخ پہ بیٹھے پر کو تولے
بول خوشی کے بول رہا تھا
پھول کو بھنورا چوم رہا تھا
ناگن سی بل کھاتی جائے
متوالی البیلی سہیلی !

باغ میں ایسی پون چلی تھی　　من میں کھوئی گمن چلی تھی
بھینی بھینی خوشبو مہکی　　مستی میں تھی ہر شے بہکی
موسم کا رنگین سماں تھا　　تم بھی جواں تھے میں بھی جواں تھا
یاد کرو وہ بھولے وعدے　　تم نے جو رو رو کے کئے تھے
چاہت کا انمول زمانہ!　　جانے والے بھول نہ جانا
لیکن تم خود بھول گئی ہو　　پیار کو ماضی کے وعدوں کو
اپنے جب بیگانے نکلے　　گلشن بھی ویرانے نکلے
جھوٹے نکلے پیار کے سپنے　　وعدوں کے اقرار کے سپنے
ہم جو بازی جیت کے ہارے　　بڑھ گئے جیون کے اندھیارے

بیتے دن رنگین سہانے
"اف ری محبت ہائے زمانے"

دھڑکن

تن من کو جو بھائے لڑکپن　　کلیوں کو شرمائے لڑکپن
لوٹ کے پھر کب آئے لڑکپن　　ہائے وہ بیتا جائے لڑکپن

بیتے دن رنگین سہانے
اُف ری جوانی ہائے زمانے

غنچہ چٹکے بھنورا آئے　　بھنورا آئے جی گھبرائے
پاگل پیار کے گیت سنائے　　رہ رہ کے دل ڈوبا جائے

چھیڑ نہ مجھ کو اے دیوانے
اُف ری جوانی ہائے زمانے

ناگن سی بل کھائے جوانی　　پاگل من کو بھائے جوانی
سندر سپنے لائے جوانی　　غیروں کو اپنائے جوانی
نئی محبت نئے فسانے
اُف ری جوانی ہائے زمانے

پگلے پوچھ نہ دل کا عالم　　دل کا عالم درہم برہم
تو نہ آئے آنکھیں پُرنم　　تو جو آئے رُخ پر شبنم
دل کی دھڑکن تو کیا جانے
اُف ری جوانی ہائے زمانے

شیشہ دیکھوں میں شرماؤں　　اور کبھی خود کھو سی جاؤں
خود کو کھو کر تجھ کو پاؤں　　تو جو آئے میں گھبراؤں
کیا ہے دل میں دل ہی نہ جانے
اُف ری جوانی ہائے زمانے

علوئے فکر

لیلیٰ شب کے گیسوئے برہم تھے درفشاں
دامانِ کوہسار میں دریا رواں دواں
ہر موج محوِ زمزمہ ہر لہر نغمہ خواں
تھے برگ و بار سنگ و شجر رقص میں وہاں
جگنو کی ضو فشانی سے پُر نور دشت تھا
عکسِ جمالِ یار سے معمور دشت تھا

*

وقتِ سحر ہوائے خنک تیز تیز تھی
گلہائے دشت کی بھی مہک تیز تیز تھی
دریا پہ عکسِ مہ کی لپک تیز تیز تھی
گویا نجومِ شب کی چمک تیز تیز تھی
ہمراہ میرے تم تھے زمانہ شباب کا
جیسے تھا میرے ہاتھ میں ساغر شراب کا

*

وہ چشمِ التفات جو ہم پہ تھی صبح و شام
جیسے کہ زندگی کو ملے زندگی کا جام
کتنا بلند تر تھا محبت کا وہ مقام
سرخم کیا تھا چرخ نے با عجز و احترام
یہ زندگی یہ وادیٔ ہستی بلند تھی
کتنی بلندیوں سے یہ پستی بلند تھی

*

وہ کیا گیا کہ رونقِ ہستی چلی گئی
وہ ولولہ وہ جوشش وہ مستی چلی گئی
اٹھی فضا کے ساتھ برستی چلی گئی
یعنی ہماری بادہ پرستی چلی گئی
قالب میں روح چبھتی ہوئی مثلِ نوکِ خار
اچھا ہو کاش نکلے بوقتِ فراقِ یار

*

غمگین تشنہ لب تھے جو بے خودی پہ آئے
اک بیکسی کو لے کے درِ بے کسی پہ آئے
ناچار تشنہ لب جو لبِ تشنگی پہ آئے
پی کر شرابِ غم رہِ دیوانگی پہ آئے
دریا جو تشنگی کے لبوں سے ابھر گیا
گھبرا کے صحرا وسعتِ ذرہ میں بھر گیا

*

وہ اشہبِ خیال سبک رو سبک خرام
پل بھر میں جس نے چرخ پہ جا کر کیا قیام
ہونے لگا ہے جس پہ تجلّی کا التزام
پائے نہ اس کی گرد سمندِ نگاہِ خام
پڑتے ہی عکس خالقِ کل کائنات کے
کھلنے لگے ہیں بھید حیات و ممات کے

پہنچا دیا ہے عشق نے ایسے مقام پر
اب اپنے آپ کی بھی نہیں ہے کوئی خبر
ہم رفتگانِ شوق کا وہ مرکزِ نظر
ہم پر ہوا یہ اس کی عنایات کا اثر
وصفِ عُلوئے فکر سے ہم متصف ہوئے
ہم پر نہفتہ راز کھلے منکشف ہوئے

*

پھولوں کا ہے نکھار نگاہوں کے سامنے
تابانیٔ بہار ، نگاہوں کے سامنے
رعنائیاں ہزار نگاہوں کے سامنے
عکسِ جمالِ یار نگاہوں کے سامنے
اُونچی پہاڑیوں کو گھٹا چومنے لگی
دیوانہ وار بادِ صبا جھومنے لگی

*

سرسبز کوہسار ہیں گلرنگ یہ زمیں
حدِ نگاہ تک ہے گلِ سرخ و آتشیں
چاروں طرف مناظرِ قدرت ہیں دل نشیں
رت پیار کی بہار کے دن اور سماں حسیں
مستی میں جھومنے لگا پیڑوں کا انگ انگ
دستِ صبا میں جیسے ہو فطرت کا جلترنگ

*

سرمستیٔ شباب کا عالم نہ پوچھئے
گرمیٔ آفتاب کا عالم نہ پوچھئے
اک حسنِ لاجواب کا عالم نہ پوچھئے
کھلتے ہوئے گلاب کا عالم نہ پوچھئے
خوش رنگ تتلیاں یہ دھنک رنگ وادیاں
اقلیم حسن کی یہ حسین شاہزادیاں

*

پانی سمندروں کی حدوں میں رُکا ہوا
آئے نظر فلک بھی زمیں پر جھُکا ہوا
کب اس کی قدرتوں سے کوئی آشنا ہوا
عالم تمام ورطۂ حیرت بنا ہُوا
بادل کی اوٹ سے وہ قمر جھانکنے لگا
دامانِ شب میں کون گہر ٹانکنے لگا

*

پریوں کا یہ نگر یہ طلسمات کا جہاں
طاؤس محوِ رقص نواسنج طوطیاں
پھولوں کی انجمن میں بہاروں کا کارواں
جیسے زمین پر اتر آئی ہے کہکشاں
یاقوت کے شجر ہیں زمرد کے برگ و بار
یہ وادیٔ حسین ہے قدرت کا شاہکار

*

دیکھے جو زندگی کے سہارے زمین پر
اوپر سے کر رہے ہیں اشارے زمین پر
آئے فلک سے درد کے مارے زمین پر
شبنم کے روپ میں جو ستارے زمین پر
کرنوں کی سولیوں پہ وہ تارے لٹک گئے
گل ہو گئے چراغ تو غنچے چٹک گئے

*

پھر اس کی یاد آئی ہے پھر ہم بہک اٹھے
پھر داغِ دل الاؤ کی صورت دہک اٹھے
زخمِ دل و جگر جو فضا میں مہک اٹھے
پھولوں کی رُت سمجھ کے پرندے چہک اٹھے
بدلا سماں تو دودِ چراغِ سحر گیا
پروانہ راکھ بن کے فضا میں بکھر گیا

*

ذوقِ طلب میں شمس و قمر گھومتے رہے
محور پہ اپنے شام و سحر گھومتے رہے
دیوانگی کے زیرِ اثر گھومتے رہے
ہم لے کے سوزِ داغِ جگر گھومتے رہے
جب ہم نے یہ کہا کہ جگر پاش پاش ہے
آئی ندا کہ کون ہے کس کی تلاش ہے

آئی صبا کہ غنچۂ دل کھلکھلا اُٹھا
ہر قمقمہ بسوزِ ضیاء جھلملا اُٹھا
نالہ اٹھا نہ شور و فغاں و گلہ اٹھا
پہلو کا درد تھا وہی پہلو میں آ اٹھا
آیا وہ جب سے شاہدِ معنیٰ ظہور میں
جلووں نے شعلے بھر دیئے ہیں نبضِ طور میں

**

انتظار

تکتی ہوئی فلک کو
اک سانولی سلونی

پھولوں کی انجمن میں   تاروں بھرے گگن میں
بھیگی ہوئی فضا میں   مہکی ہوئی ہوا میں
مستی بھری جوانی   صہبائے زندگانی
آنچل اڑا رہی ہے   فتنے جگا رہی ہے
جوبن ابھار پر ہے   غنچہ نکھار پر ہے
آنکھوں میں ہے اداسی   گنگا ہو جیسے پیاسی

کاجل بھی ڈھل گیا ہے   غازہ پگھل گیا ہے
پلکیں ہوئی ہیں بوجھل   دل ہو گیا ہے بے کل
جیون ترس رہا ہے   ساون برس رہا ہے
پریتم بچھڑ گیا ہے   جیون اجڑ گیا ہے
نغموں کا سوز جاگا   بیرن بنی ہے رادھا
پلکوں پہ آکے ٹوٹے   چاہت کے کتنے تارے
ساون کچھ ایسے آیا   ہر زخم مسکرایا
وہ یاد آگئے جب   دل میں سما گئے جب
ماضی کے نقش ابھرے   یادوں کے کتنے سائے
لہرا گئے نظر میں   تنہائی کے سفر میں
بے تاب کر گئے وہ   سیماب کر گئے وہ
دیوانہ کر گئے ہیں   پروانہ کر گئے ہیں
اپنے وجود تک سے   بیگانہ کر گئے ہیں
تاروں کو تک رہی ہے   تجھ بن سسک رہی ہے

یہ زندگی کی سانسیں　　بن کر چبھی ہیں پھانسیں
سپنوں میں کھو گئی وہ　　جیسے کہ سو گئی وہ
تنہائی لے کے اُٹھی　　انگڑائی لے کے اُٹھی
تکتی ہوئی فلک کو
اک سانولی سلونی

پیار کروں یا نہ کروں

سوزِ دل سے دلِ بے تاب سے واقف ہی نہیں
لرزشِ پارۂ سیماب سے واقف ہی نہیں
منظرِ ماہیٔ بے آب سے واقف ہی نہیں
تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
تو ابھی عشق کے آداب سے واقف ہی نہیں
منکشف تجھ پہ یہ اسرار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

تو ہے نا آشنا الفت کی کہانی سے ہنوز
زخمِ دل دردِ جگر سوزِ نہانی سے ہنوز
تو کہ واقف نہیں دریا کی روانی سے ہنوز
تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
تو کہ محرم نہیں جذباتِ جوانی سے ہنوز
تجھ کو اس جام سے سرشار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

تو نہ سمجھے یہ مرے دل کی لگی کو شاید
دامنِ چاک کو آشفتہ سری کو شاید
بے خودی اور مری تشنہ لبی کو شاید
تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
تو نہ جانے یہ مرے سوزِ دلی کو شاید
تجھ کو بھی خوگرِ آزار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

تجھ کو معلوم نہیں تو کہ ہے انجان ابھی
تو نے دیکھے نہیں جذبات کے طوفان ابھی
تو کہ معصوم ہے نوخیز ہے نادان ابھی
تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
اس قیامت کی نہیں ہے تجھے پہچان ابھی
اس قیامت سے خبردار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

سچ تو یہ ہے کہ محبت کا پرستار ہوں میں
بادۂ عشق سے مخمور ہوں سرشار ہوں میں
پیکرِ درد ہوں اور خوگرِ آزار ہوں میں
تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
تیرے ہر حلقۂ گیسو میں گرفتار ہوں میں
تجھ کو بھی غم میں گرفتار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

تو مری فکر کا پرتو مرے فن کی صورت
تو نزاکت میں کسی سرو سمن کی صورت
تو ہے تعبیر سحر شوخ کرن کی صورت

تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
کیف میں ڈوبی ہوئی صبح چمن کی صورت
تجھ کو مہکا ہوا گل زار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

سوچتا ہوں کہ تجھے پیار سے آگاہ کروں
دردِ دل سے دلِ بیمار سے آگاہ کروں
شامِ تنہائی کے آزار سے آگاہ کروں

تو کہ معصوم ہے نادان ہے کم سن ہے ابھی
عالمِ دیدۂ خوں بار سے آگاہ کروں
درد کا تجھ کو سزا وار کروں یا نہ کروں
تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

ابھی تو میں جوان ہوں

وہ پیکرِ شباب ہوں — حریفِ آفتاب ہوں
خمار ور خمار ہوں — بہار در بہار ہوں
سرودِ بے خودی میں گم — حسین زندگی میں گم
غریقِ جامِ ارغواں — کرن کرن دھواں دھواں
رگوں میں گرم تر لہو — مری حیات رنگ و بو
یہ دشت و کوہ اور دمن — سنور گئے چمن چمن
قدم قدم پہ شوخیاں — نظر نظر میں بجلیاں

میں حسن کی وہ شان ہوں
ابھی تو میں جوان ہوں

حجاب در حجاب ہوں   سحاب در سحاب ہوں
کھلا کھلا شباب ہے   حیات آفتاب ہے
میں سوز بھی میں ساز بھی   میں برملا بھی راز بھی
ازل سے بے قرار ہوں   اسیرِ انتظار ہوں
دعا بھی مدعا بھی میں   کہ درد بھی دوا بھی میں
صدف بھی میں گہر بھی میں   تجلی و نظر بھی میں
نئی خلش نئی امنگ   مرا وجود جلترنگ

حسین داستان ہوں

ابھی تو میں جوان ہوں

میں شاخِ گل کی ہوں لچک   سبک حسیں مری لہک
کرن کرن مچل گئی   میں جس طرف نکل گئی
کلی نے سانس روک لی   مچی چمن میں کھلبلی
یہ طائرانِ نغمہ زن   جو ٹہنیوں پہ ہیں مگن
خموش دفعتاً ہوئے   وہ مجھ کو دیکھنے لگے

میں آپ اپنی انجمن   فروغِ حسن بانکپن
کبھی فرازِ بام پر   کبھی زمیں پہ جلوہ گر

جہاں ہوں شادمان ہوں

ابھی تو میں جوان ہوں

یہ وادیاں یہ آبجو   ہے مجھ سے ان میں رنگ و بو
وہ آبشار کی دھنک   وہ موج موج میں لچک
کبھی ادھر کبھی ادھر   کہاں نہیں مرا گذر
بہارِ جاں فزا ہوں میں   کہ خود سے آشنا ہوں میں
کہیں اودھ کی شام ہوں   کہیں فروغِ جام ہوں
شفق شفق کرن کرن   کہاں نہیں میں ضو فگن
جدھر مرا ہوا گزر   وہیں پہ ہو گئی سحر

میں صبح کا نشان ہوں

ابھی تو میں جوان ہوں

یہ تیتری یہ مورنی   قتیلِ حسن دلبری

یہ نکھری نکھری چاندنی   نسیم کی سبک روی
ادائے دلبری مری   متاعِ روشنی مری
میں آئینہ جمال کا   میں عکس ہوں خیال کا
میں ایسا شاہکار ہوں   کہ خود پہ بھی نثار ہوں
سرود ہوں میں راگ ہوں   نفس نفس کی آگ ہوں
میں راگنی ہوں پیار کی   نوید ہوں بہار کی

میں نغمگی کی جان ہوں
ابھی تو میں جوان ہوں

میں جس طرف گزر گئی   کلی کلی نکھر گئی
فرازِ کوہسار ہوں   صدائے آبشار ہوں
میں حسن کا سنگھار ہوں   نکھار ہی نکھار ہوں
قدم قدم روش روش   مرے وجود کی تپش
ہر ایک رنگ روپ میں   میں چاندنی میں دھوپ میں
میں کامنی سجل کنول   میں نازکی میں بے بدل

گلوں میں ہوں بسی ہوئی   حجاب میرا ہر کلی

نشان بے نشان ہوں
ابھی تو میں جوان ہوں

وہ ملگجی پہاڑیاں   وہ گیت گاتی ندیاں
سریلی دھن مدھر سی لئے   وہ رقصِ موج پئے بہ پئے
وہ چوڑیوں کی ہے کھنک   وہ زلف زلف کی مہک
فضا میں ہے رچی بسی   یہ بہکی بہکی زندگی
اٹھان ہی اٹھان ہے   جوان ہی جوان ہے
وہ کھیت کی منڈیر پر   وہ گرمیوں کی دوپہر
بجائے شام بانسری   ہوئی ہوئی میں باؤں ری

میں بانسری کی تان ہوں
ابھی تو میں جوان ہوں

میں رونقِ حیات ہوں   محیطِ کائنات ہوں
میں ہر عدم سے ماورا   میں ابتدا میں انتہا

میں جھیل کا کِھلا کنول — یہ کس نے چھیڑ دی غزل
چراغِ طور بن گئی — چمن چمن ، کلی کلی
یہ مہر و ماہ و کہکشاں — ہیں میرے پاؤں کے نشاں

میں اوجِ آسمان ہوں
ابھی تو میں جوان ہوں

دل پریشان ہے

عقل حیران ہے — دل پریشان ہے
جان پہچان میں — آن کی آن میں
کارواں لٹ گیا — اک جہاں لٹ گیا
روز بڑھتا رہا — سوز بڑھتا رہا
تھا یہی بھاگ میں — ہجر کی آگ میں
میں بھی جلتا رہا — وہ بھی جلتا رہا
جانے کب تک رہے — دوریاں فاصلے
کوئی کب تک سہے — رنج و غم پے بہ پے

وقت کی بات ہے — غم کی سوغات ہے
شوقِ آوارگی — میری دیوانگی
مجھ کو لائی کہاں — الحفیظ الاماں
جی میں ٹھانی ہے یہ — آنی جانی ہے یہ
ایسی دنیا سے کیا — جس میں غم کے سوا
کچھ خوشی تک نہیں — روشنی تک نہیں
میری تقدیر میں — غم کی تصویر میں
منظرِ رنج و غم — داستانِ الم
آنکھ کہتی رہی — آنکھ بہتی رہی
وقت ٹلتا نہیں — دل بہلتا نہیں
اے گدائے خوشی — کاسۂ زندگی
توڑ دے توڑ دے — یہ جہاں چھوڑ دے
دل یہ کہتا رہا — زخم سہتا رہا
ایک زردار نے — خلق بیزار نے

طبع خوددار سے — ایک فن کار سے
ہر خوشی چھین لی — زندگی چھین لی
دل پہ پیہم مرے — زخم اگتے رہے
خون رستا رہا — زندگی کا دیا
گاہ جلتا رہا — گاہ بجھتا رہا
جان پہچان میں — آن کی آن میں
مل کے وہ کھو گیا — کیا سے کیا ہو گیا
عقل حیران ہے
دل پریشان ہے

پردیس میں عید

جب یاد وہ ماضی کی تصویر دکھاتی ہے — بیتابیٔ دل بڑھ کر راتوں کو جگاتی ہے
مجبور محض انساں انسان کے بس میں کیا — تقدیر ہنساتی ہے تقدیر رلاتی ہے
تنہائی کے صحرا میں بھٹکے ہوئے راہی کو — اپنوں سے جدائی کا احساس دلاتی ہے
جو عید بھی آتی ہے

دل ہے کہ سرِ محفل خوشیوں کو ترستا ہے — اک کرب مسلسل ہے جو روح کو ڈستا ہے
موسم ہو کوئی لیکن سوزِ غمِ الفت میں — جب آنکھ برستی ہے ساون بھی برستا ہے
تنہائی کے صحرا میں بھٹکے ہوئے راہی کو — اپنوں سے جدائی کا احساس دلاتی ہے
جو عید بھی آتی ہے

یہ گردشِ دوراں ہے حالات بدلتے ہیں — ماضی کے حسیں سپنے آنکھوں میں مچلتے ہیں
پردیس میں تنہا ہیں دمساز نہیں کوئی — پلکوں پہ رُکے آنسو رخسار پہ ڈھلتے ہیں
تنہائی کے صحرا میں بھٹکے ہوئے راہی کو — اپنوں سے جدائی کا احساس دلاتی ہے
جو عید بھی آتی ہے

وہ کہہ نہیں سکتے ہم جو دل پہ گزرتی ہے — اک تازہ ستم ہم پر ہر سال یہ کرتی ہے
اے طور نہیں ہم کو اب ضبط کا یارا بھی — خنجر کی انی بن کر سینے میں اُترتی ہے
تنہائی کے صحرا میں بھٹکے ہوئے راہی کو — اپنوں سے جدائی کا احساس دلاتی ہے
جو عید بھی آتی ہے

خشک پتوں کی صورت

خون سے اپنے ہم تیری تصویر میں رنگ بھر جائیں گے
موت آجائے گی اور مر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

اجنبی ہی سہی ہم ترے دیس میں یعنی پردیس میں
اجنبی کی طرح ہم گزر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

تا بہ حد نظر ہے دھواں ہی دھواں راستے گم ہوئے
منزلیں کھو گئیں اب کدھر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

شدتِ کرب سے قلب مرجھا گیا روح کملا گئی
سوزِ غم سے کسی روز مر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

کس کو اپنا کہیں کون اپنا یہاں جو ہو غم آشنا
لے کے دنیا سے دردِ جگر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

زندہ رہ کر بھی ہم تو ترستے رہے زندگی کے لئے
دامنِ زندگی چاک کر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

رشتۂ زندگی ٹوٹ ہی جائے گا آس میں یاس میں
اس کشاکش میں با چشمِ تر جائیں گے
خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

راکھ ہے گرم اس کو کریدو نہ تم ہاتھ جل جائے گا

کچھ شرارے نظر میں ٹھہر جائیں گے

خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

طور ہم سے غریبوں کے ارمان کیا ساز و سامان کیا

لے چلو ہم کو ہم دار پر جائیں گے

خشک پتوں کی صورت بکھر جائیں گے

رُوپ نگر کی رانی

وہ اک الھڑ بھولی بھالی — نازک جیسے پھول کی ڈالی

روپ سجل ہے سوہن جیسا — اس کا بدن ہے کندن جیسا

بکھرے ہوئے ہیں دوش پہ گیسو — پھیلی ہوئی ہے ہر سو خوشبو

ماتھے پر بندیا کی جھلمل — گورے گال پہ کالا سا تل

آنکھ میں کاجل ہلکا ہلکا — اس کا آنچل ڈھلکا ڈھلکا

گورے گورے ہاتھ میں کنگن — پیروں میں پازیب کی چھن چھن

ہرنوں جیسی چال میں مستی — اونچا پربت اس کی بستی

سونے کی ہے کان میں بالی — شان ہے اس کی سب سے نرالی

پتلے پتلے ہونٹ گلابی — آنکھ نشیلی چہرہ کتابی
جانِ غزل وہ شام سویرے — مُسکائے تو نور بکھیرے
جوڑے میں ہے رات کی رانی — اُبھرا جوبن بھری جوانی
رگ رگ میں ہے خون کی گرمی — آنکھ میں جادو بات میں نرمی
تارے اس کی زلف کے افشاں — سورج اس کی جوت پہ حیراں
اس کو دیکھ کے نشہ طاری — بوٹا سا قد سندر ناری
انگڑائی کا حال نہ پوچھو — سن ہے سولہ سال نہ پوچھو

طور انوکھی اس کی کہانی
روپ نگر کی وہ ہے رانی

سراپا

آپ کے آنے سے آئی صحنِ گلشن میں بہار
آپ کی معصومیت پر حُسنِ فطرت ہے نثار
آپ کی زلفِ پریشاں جیسے ساون کی گھٹا
آپ کے لب پر تبسّم جیسے کرنوں کی پھوار
آپ کی روشن جبیں گردوں پہ جیسے پُورا چاند
آپ کے ابرو خمیدہ جیسے تیغِ آب دار
آپ کے یہ ہونٹ نازک جس طرح برگِ گلاب
دانت ہیں ایسے مصفّا موتیوں کا جیسے ہار
نور کے حلقے ہیں یا کانوں میں نازک بالیاں
بالمقابل چاند سورج جس طرح نصف النّہار
آپ کے چہرے کو دیکھا تو شفق شرما گئی
بادلوں میں چھُپ گئے ہیں اسکے سب نقش و نگار

آپ کی آنکھوں میں یہ کاجل کی ہلکی سی لکیر
اور بھڑکانے لگی ہے بادہ نوشوں کا خمار
آپ کی گردن صراحی دار باہیں مرمریں
آتشیں رخسار پر کالا سا تِل ہے آشکار
آپ کی یہ غنچہ دہنی بیمثال ولاجواب
آپ کا حسنِ ترنم گنگناتی آبشار
آپ کا بوٹا سا قد اس پر قیامت کا شباب
چال میں متوالہ پن اور اس پہ جوبن کا اُبھار
موتیا چنپا چنبیلی نرگسِ شہلا گلاب
آپ پر کرنے نچھاور لائی ہے فصلِ بہار
آپ کی انگڑائی نے توڑے ہیں سب بندِ قبا
جھنجھنا کر رہ گیا سازِ جنوں کا تار تار
آپ کی کومل جوانی جیسے بوتل میں شراب
آپ کا کندن بدن جلتا ہوا جیسے چنار

آپ کی شیریں کلامی شہد کی جیسے مٹھاس
آپ کے حسنِ تکلم سے ہے لفظوں میں نکھار
آپ کی اس موہنی صورت کا یہ اعجاز ہے
آپ کے گرویدہ لاکھوں آپ کے طالب ہزار
آپ کو دیکھا تو شیشے کو پسینہ آگیا
یہ مرقعہ سادگی کا اور چہرہ باوقار
آپ کے پیکر پہ گُل کو شاخِ صندل کا گماں
آپ سے لپٹی چمن میں بوئے گل دیوانہ وار
آپ کی آواز سے اتنا تو اندازہ ہُوا!
آپ کا طرزِ تکلم جیسے کوئل کی پُکار
باغ میں کبکِ دری بھی آپ کی رفتار پر
صورتِ تصویر ہے حیرت زدہ اور شرمسار
بانکپن شوخی ادا اتنی حیا ایسی کشش
آپ کا مشاطہء فطرت سے یہ سولہ سنگھار

پیار وہ جس کی بنا اخلاص ہے ایثار ہے
سارے رشتوں سے ہے نازک اور سب سے استوار
چاندنی راتوں میں جیسے پَر بریدہ اک چکور
آپ کی اُلفت میں ہم ایسے ہوئے ہیں بیقرار
آپ کی چتون کا گھائل چشم و ابرو کا قتیل
ایک میں ہی کیا گل لالہ بھی ہے سینہ فگار
نام سے واقف نہیں ہوں اور دیکھا تک نہیں
آپ کا لیکن سراپا لکھ دیا بے اختیار
آپ کے دیدار کو ہر دم ترستی ہے نظر
آپ سے ملنے کو روز و شب مرا دل بے قرار
آؤ ہم مل کر گزاریں غم گساری کے لئے
چند وہ لمحات جو ہوں زندگی کے یادگار
طُور جس کو آج تک، خوابوں میں بھی دیکھا نہیں
ایسی ہستی کا سراپا اور اتنا شاہکار

آشاؤں کی شام

اس کے نام کی مالا جپنا اب بھی میرا کام
لے جا اس تک گھور گھٹا ان آنکھوں کا پیغام
میں نے اس پر وار دیا ہے راتوں کا آرام
جس کے در سے مجھے ملا یہ چاہت کا انعام
من اگنی میں راکھ ہوئی ہے آشاؤں کی شام

اس کی کھوج میں جیون بیتا ملا نہ اس کا سراغ
ویراں ویراں ، اجڑا اجڑا ، امیدوں کا باغ
جلتے بجھتے دیئے ہیں سارے میرے دل کے داغ
پیار کے ہاتھوں جگ میں ہوا ہے جیون بھی الزام
من اگنی میں راکھ ہوئی ہے آشاؤں کی شام

دنیا میں بھی جیون مجھ کو کب آیا ہے راس
اکھڑی اکھڑی سانسیں ہیں اور ٹوٹی ہوئی ہے آس

رات اندھیری اس کی یادیں اور نہ کوئی پاس
دیکھ ہے کتنا دل کش میری موت کا یہ ہنگام
من اگنی میں راکھ ہوئی ہے آشاؤں کی شام

دھن والوں میں میں اک نردھن پیار کا لے کر جوگ
بن بن گھوما در در بھٹکا جیون بھر کا روگ
برسوں سے یوں منا رہا ہوں ارمانوں کا سوگ
پیاسی آنکھیں لب پہ تبسم من اندر کہرام
من اگنی میں راکھ ہوئی ہے آشاؤں کی شام

میں نے اس کے نام کیئے ہیں غزلیں نغمے گیت
میں نے جس کو ٹوٹ کے چاہا وہ ہے میرا میت
طور سنا دے جگ والوں کو میری ہار بھی جیت
پیار کا ہے دستور یہی آغاز ہیں گم انجام
من اگنی میں راکھ ہوئی ہے آشاؤں کی شام

وہ کوچہ

وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

****

وہ کوچہ جس میں جوانی کی یادگار بھی تھی
وہ کوچہ جس میں خزاں صورتِ بہار بھی تھی
وہ کوچہ جس میں محبت کی جیت ہار بھی تھی
وہ اس لیئے کہ وہاں جانِ انتظار بھی تھی

وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

وہ کوچہ جس میں وہ نازک خیال رہتی تھی
وہ کوچہ جس میں وہ زہرہ جمال رہتی تھی
وہ کوچہ جس میں وہ آہو مثال رہتی تھی
وہ اس لئے کہ وہاں خوش خصال رہتی تھی
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

وہ کوچہ جس میں جوانی نے لی تھی انگڑائی
وہ کوچہ جس میں نگاہوں کی تھی پزیرائی
وہاں تو جرم تھا اظہارِ ناشکیبائی
وہ اس لئے کہ وہاں حسن کی تھی دارائی
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

وہاں کے لوگ محبت سے آشنا بھی تھے
ستم زدہ تھے مگر پیکرِ وفا بھی تھے
جبینِ شوق کے سجدے وہاں روا بھی تھے
وہ اس لئے کہ وہاں اس کے نقشِ پا بھی تھے
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

سلامِ شوق پسِ پردہ چشم و ابرو سے
صبا بھی کھیلتی رہتی تھی اس کے گیسو سے
مشامِ عشق معطّر تھی اس کی خوشبو سے
وہ اس لئے کہ تعلق تھا اس پری رو سے
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

وہ میرے پیار کی تصویر کامرانی تھی
حقیقتوں سے مزین جو اک کہانی تھی
وہاں کی صبح نہیں شام بھی سہانی تھی
وہ اس لئے کہ وہاں روحِ زندگانی تھی
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

مئے نشاط سے لبریز ساغر و خُم تھے
وہ میرے ساتھ تھی ہم مائلِ تکلم تھے
پرندے اس کے ترنم کو سن کے گم سُم تھے
وہاں کی خاک کے ذرے حریف انجم تھے
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

جنوں کی طور پرانی روش سی باقی ہے
گذشتہ دور کی دل میں خلش سی باقی ہے
بجھی ہے آگ مگر کچھ تپش سی باقی ہے
اسی تپش سے تو باقی ہے اب ثبات مرا
وہ کوچہ اب بھی ہے سرمایۂ حیات مرا

سراب

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی یہ ہلکی سی لکیر
میرے جذبات میں ہلچل سی مچا دیتی ہے

تیرے ماتھے پہ دمکتی ہوئی بندیا کی قسم
مجھ سے شاعر کو بھی دیوانہ بنا دیتی ہے

تیری زلفوں میں مہکتے ہوئے خوش رنگ گلاب
تیری معصوم جوانی کی قسم کھاتے ہیں

کتنے تارے تیری زلفوں پہ نچھاور ہوتے
تیرے رخ سے ٹوٹ کے دھرتی کی طرف آتے ہیں

قدِ زیبا ترا دیباچۂ محشر جیسے
سرو و شمشاد ترے قامتِ موزوں پہ نثار

تیرے رخسار کی سرخی پہ ہوئے سر بسجود
غنچۂ باغِ ارم اور شفق رنگ پہ نثار

اے مری جاں تری لونگ کے لشکارے سے
چھپ گیا ابر کے ٹکڑے میں چمکتا سورج

تو نے جب ڈال لیا چہرۂ رنگیں پہ نقاب
ابر کی اوٹ سے نکلا ہے جھجکتا سورج

تو نے لہرایا جو آنچل تو چلی بادِ صبا
اور تری مست خرامی پہ پشیماں دُرّاج

چاندنی رات میں دیکھا ہے یہ منظر ہم نے
تیری انگڑائی کو دیتا رہا مہتاب خراج

دانش و عقل و خرد، دیدہ و دل، ہوش و حواس
ہم جو محفل میں تری آئے تو سب چھوٹ گئے

تو نے جس سمت بھی مخمور نظر سے دیکھا
ہاتھ کانپے تو کئی جام گرے ٹوٹ گئے

طور قائل ہے تری حسنِ ادا کا لیکن
سچ تو یہ ہے کہ کوئی خوئے وفا تجھ میں نہیں

جرمِ حق گوئی کی تعزیر تو لازم ہوگی
تو سہی پھول مگر بوئے وفا تجھ میں نہیں

خواہش

داماںِ محبت کے سب چاک سلے ہوتے
ارمان بھرے دل میں کچھ پھول کھلے ہوتے
کچھ شکوے گلے ہوتے
گر آپ ملے ہوتے

ہم آپ کی قربت میں ہر چیز بھلا دیتے
اک تاج محل ہم بھی دھرتی پہ بنا دیتے
دنیا کو دکھا دیتے
گر آپ ملے ہوتے

ہم چاندنی راتوں میں وہ گیت حسیں گاتے
چاہت کی کرن بن کر ہر دل میں اتر جاتے
ماحول پہ چھا جاتے
گر آپ ملے ہوتے

ہم آپ کی زلفوں میں اک پھول سجا دیتے
افسانۂ الفت کو رنگین بنا دیتے
جذبوں کو ہوا دیتے
گر آپ ملے ہوتے

آنکھوں میں وفاؤں کی انمول چمک ہوتی
خاموش فضاؤں میں پھولوں کی مہک ہوتی
چاہت کی دھنک ہوتی
گر آپ ملے ہوتے

سر آپ کے زانوں پر ٹھہرے پہ نظر ہوتی
منڈوے؎ میں چنبیلی کے یوں رات بسر ہوتی
آنکھوں میں سحر ہوتی
گر آپ ملے ہوتے

آہٹ جو کوئی ہوتی باہوں میں سمٹ جاتے

؎ منڈوا: چنبیلی کا سائیبان۔

ماتھے پہ عرق ہوتا گھبرا کے لپٹ جاتے

پھر جھینپ کے ہٹ جاتے

گر آپ ملے ہوتے

پردیس میں کیوں رہتے گھر بار بھی کیوں لٹتا

جو آپ کا مسکن تھا وہ دیس کہاں چھٹتا

کیوں ہجر میں دم گھٹتا

گر آپ ملے ہوتے

تقدیر میں اپنے تو دامن کا بھگونا تھا

راتوں کو تڑپنا تھا سونا نہیں رونا تھا

کب حال یہ ہونا تھا

گر آپ ملے ہوتے

امّید کا یہ دامن پھولوں سے جو بھر جاتا

پھر اپنا مقدر بھی اے طور سنور جاتا

فن اور نکھر جاتا

گر آپ ملے ہوتے

ایک اُجلا بدن

چاندنی کی طرح ایک اُجلا بدن

آرزو بن گیا زندگی بن گیا

میری تحریر کی روشنی بن گیا

اس کی آنکھوں میں کاجل سے تحریر تھی

پیار کی داستاں

اس کے عارض کی سرخی شفق رنگ تھی

وہ دھنک رنگ تھی

نرم شاخوں کی صورت سراپا لچک

اس کے پیکر میں تھی صندلیں سی مہک

چال اس کی تھی یا رقصِ طاؤس تھا

وہ کنول سا بدن غم سے مانوس تھا
اس کی آنکھوں کی لالی تھی مستی لئے
اور پپوٹوں میں تھا رَت جگے کا سماں
چاہتوں کا نشاں
ریشمی سرخ جوڑے میں ملبوس وہ
برف کی سل پہ جیسے کرن کی تپش
آئینے کی طرح اس کا اجلا بدن
جیسے موتی کوئی سیپ کی آبرو
اس کی الھڑ جوانی شگفتہ کلی
جیسے ٹیگور کی رس بھری انجلی[1]
وہ کوئی[2] داس کا جیسے دوہا کوئی
جیسے ہو جائے تجسیم القا کوئی

---

[1] بنگال کا مشہور شاعر ٹیگور کی مایہ ناز تصنیف گیتا انجلی۔
[2] ہندی کا مشہور شاعر کبیر داس۔

موتیے کی کلی اس کے جوڑے میں تھی
دامنِ شب میں جگنو بھی ضو ریز تھا
چاندی کی طرح اس کا اجلا بدن
فتنہ انگیز تھا اور سحر خیز تھا
اس کو دیکھا تو محسوس ایسا ہوا
جیسے دھرتی کو تحفہ ہو آکاش کا
اس کو قدرت کا شاہکار کہنا پڑا
دیکھ کر اس کو اشعار کہنا پڑا
چاندنی کی طرح ایک اجلا بدن
آرزو بن گیا زندگی بن گیا
میری تحریر کی روشنی بن گیا

کشمکش

تمہارے قرب کو سمجھا تھا قربِ دائمی میں نے
وہ قربت عارضی نکلی
مگر وہ عارضی قربت ہمیشہ کی خلش ٹھہری
محبت کی تپش ٹھہری
نہ تم ملتے تو اچھا تھا نہ بے کل من مرا رہتا
نہ یہ دیوانگی ہوتی نہ دیوانہ کوئی کہتا
نہ پامالِ جنوں ہوتا نہ یوں حالِ زبوں ہوتا
نہ ارمانوں کا خوں ہوتا
نہ تم ملتے تو اچھا ہوتا

کھلا یہ بھید جب کوئی پتنگا راکھ ہو بیٹھا
محبت روگ ہے دل کا محبت سوگ جیون کا
نظر سے دل میں جو اترے محبت ایسی چنگاری
محبت کی فسوں کاری
نہ جینے دے نہ مرنے دے
نہ راحت کا کوئی پہلو نہ کوئی ضبط کا یارا
کہ میں ہوں برگِ آوارہ
نہ رسوائی یہاں ہوتی نہ افسانے جنم لیتے
نہ تم ملتے تو اچھا تھا
وہ اک پنچھی کہ جس کے بال و پر صیاد نے نوچے
اور رادی بھی دی پنہائی زنجیرِ اسیری بھی
رہے پرواز سے محروم
قفس پروردہ یہ پنچھی
اسی صورت تمہاری عارضی قربت مرے حق میں

کبھی تو یاس کا غلبہ کبھی تو آس کا دامن
یہی اک کشمکش ایسی نہ جینے دے نہ مرنے دے
نہ ہستی کو سنورنے دے
نہ تم ملتے تو اچھا تھا

دشتِ تنہائی

میں دشتِ تنہائی میں کھڑا ہوں مثالِ برگد
میں آندھیوں میں گھرا ہوا ہوں خزاں رسیدہ
نہ کوئی ٹہنی، نہ کوئی پتہ
کسی مسافر کو کیسے سایہ عطا کروں میں
مری تھی خواہش کہ پھول کھلتے بہار آتی
مگر یہ چھوٹی سی میری خواہش
کبھی نہ پوری ہوئی نہ ہوگی
میں دشتِ تنہائی میں کھڑا ہوں مثالِ برگد
کچھ ایسے چاٹا غموں نے ملکر وجود میرا
کہ جھڑ گئے برگ و بار سارے
خوشی کے نقش و نگار سارے
نہ آندھیوں سے ہے کوئی شکوہ
خزاں سے بھی اب نہیں شکایت
نہ کوئی ہمدم نہ کوئی مونس نہ کوئی ساتھی
جو غم گسار و رفیق ہوتا

ہوا جو بے مائیگی کا احساس
تو آہ نکلی شکستہ دل سے
کہ طورِ قسمت میں بس یہی تھا
کہ دشتِ تنہائی میں ازل سے کھڑا ہوا ہوں مثالِ برگد

غروب

سورج ڈوبا خون کی سرخی چھوڑ گیا
پھر یہ سرخی پرچم میں تشکیل ہوئی
رفتہ رفتہ ظلمت میں تحلیل ہوئی
پھر یہ ظلمت جبر کا ہر در کھول گئی
شریانوں میں زہر ہلاہل گھول گئی
بوڑھی آنکھیں اس منظر سے سہمی ہیں
پیلے پتے ٹوٹ رہے ہیں شاخوں سے
رت کے ساتھی سب ہیں جب سے رت بدلی
ساتھ ہمارا اپنا سایہ چھوڑ گیا
سورج ڈوبا دن سے ناطہ توڑ گیا

رات
کا
مسافر

میں کہ اک مسافر ہوں
رہگزار ہستی کا
دیپ ہے نہ جگنو ہے
اور نہ کوئی تارا ہے
ہر طرف ہے سنّاٹا
ہر طرف اندھیرا ہے
ہمنوا نہیں کوئی
ہمسفر نہیں کوئی
آنکھ میں اداسی ہے

بال بھی پریشان ہیں
پاؤں میں بھی چھالے ہیں
چارہ گر نہیں کوئی
سایہ دار پیڑوں پہ
طاہرانِ خوش آواز
اپنے گھونسلوں میں چپ
منتظر سحر کے ہیں
میں کہ اک مسافر ہوں
رہگزار ہستی کا
ہر طرف فضاؤں میں
حبس ہے گھٹن سی ہے
اپنی ذات کے اندر
ہر کوئی مقیّد ہے
اب کسی سے کیا شکوہ

درد آشنا کوئی

مشکلوں سے ملتا ہے
خوف کا یہ عالم ہے
سینکڑوں درندے تک
آدمی سے خائف ہیں
لاش خون میں غلطاں
بے کفن سرِ راہ ہے
نوحہ کن شرافت ہے
آدمی کی فطرت پر

اور بربریت پر
میں کہ اک مسافر ہوں
رہگزارِ ہستی کا

روشنی

روشنی

چاند کی ہو
جگنو کی ہو
یا دیپ کی ہو
حریفِ تیرگی ہے
یہی مقصد ہے ہر اک روشنی کا
کوئی ٹھوکر نہ کھائے
نہ گم ہو راستوں میں نہ بھٹکے منزلوں سے
اسے پہچان ہو اچھے بُرے کی

وہ رشتوں کو بھی سمجھے بڑے چھوٹوں کو جانے
شعور و عقل آئے رہِ حق پر چلے وہ
جو ہیں مظلوم اُن کا ساتھ دے اور
جو ظالم ہیں تو ڈٹ جائے مقابل
کہ ہر اک روشنی سدریٰ سے آئی
یہی مقصد ہے ہر اک روشنی کا
کہ بندہ اپنی اصلیت کو جانے
فقط خلاقِ دو عالم کو مانے

تیرگی

تیرگی ہے جہل ظلم و بربریت
حق ناشناسی عصبیت فرعونیت
پیہم ستم!
چوریاں دھوکا دغا ٹھوکر بہم
گُم گشتۂ راہِ وفا آمادۂ جور و جفا
پروردۂ کُنجِ سقر ہمسایۂ تحت الثریٰ
اور اس کے پرتو کا اثر
بدبختیوں کی ابتدا
سب رشتوں ناطوں سے الگ

نمرود کا جیسے الاؤ
شداد کی جنت کا نام

ہاں !
روشنی ہے درگزر
اور تیرگی ہے انتقام

غالب :- نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

فردِ جرم بے گناہی تھا سببِ تعزیر کا
سامنے آیا نوشتہ کاتبِ تقدیر کا

س کہتے ہیں عدم منظر دں سے پوشیدہ رکھا
اے مصور ایک رُخ ظاہر کیا تصویر کا

بادیہ پیمائی کا جب بھی خیال آیا ہمیں
کھل گیا حلقہ ہمارے پاؤں کی زنجیر کا

اک عالم کو مٹانا ہے بنانے کے لیے
اک پہلو ہے اسی تخریب میں تعمیر کا

شوخیٔ شرم و حیا تیغِ جفا سے کم نہیں
دستِ نازک سے اُٹھانا ہے عبث شمشیر کا

ہر نفس کی کشمکش یہ کہہ رہی ہے بار بار
کاٹنا ہے راستہ مشکل عاشقِ دلگیر کا

خواب کی تعبیر گر اُلٹی ہوئی تو کیا ہوا
خواب سے گہرا تعلق ہے اسی تعبیر کا

دیکھ کر دامن پہ دھبے بادۂ گلفام کے
کھل گیا سارا بھرم واعظ تری تقریر کا

عہدِ نو میں جب بھی پایا ہے ادب کو بے لباس
طاہر نے پہنا دیا جامہ نیا تحریر کا

غالب : تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

جو دل اسیرِ حلقۂ ذوقِ نمود تھا — باقی پسِ حیات بھی اس کا وجود تھا
دشوار کب تھا آپ کا پانا یہاں مگر — میرا حریفِ عشق یہ چرخِ کبود تھا
ہر ذرہ کائنات کا آیا ہے رقص میں — یہ کون آج مائلِ رقص و سرود تھا
دل پر جو نقشِ غیر تھا پل بھر میں مٹ گیا — اس پیکرِ جمیل کا ایسا ورود تھا
دل تھا تیرے فراق میں کچھ ایسا مضطرب — ہر نالہ دل میں آتشِ فرقت کا دود تھا
توڑا ہے تو نے میرے طلسمِ سکوت کو — ورنہ مرے خیال پہ گہرا جمود تھا

دیکھا جو طورِ پیکرِ باطن میں جھانک کر
عقدہ کھلا کہ اصل میں اسکا وجود تھا

ترے شباب کی مستی مری غزل میں ہے
شراب ناب کی مستی مری غزل میں ہے

وُہ جس کی موج بہا لے گئی تھی سوہنی کو
اسی چناب کی مستی مری غزل میں ہے

وہ جس کے تار میں پوشیدہ دھڑکنیں دل کی
اسی رباب کی مستی مری غزل میں ہے

وہ جس سحاب میں ہے تیری چوڑیوں کی کھنک
اسی سحاب کی مستی مری غزل میں ہے

سوالِ وصل پہ جو تھا سپردگی کا نشہ
اسی جواب کی مستی مری غزل میں ہے

وہ جس کی قید میں دریا بھی اور طوفاں بھی
اسی حباب کی مستی مری غزل میں ہے

وہ اک گلاب سا پیکر ہے طور نظروں میں
حسین خواب کی مستی مری غزل میں ہے

ثنائی پریس بلاک نمبر ۱ سرگودھا فون: ۷۱۱۸۶۸

طور نورانی کی کتب

۱-	چراغِ طور	نعتیں اور مناقب	طبع شدہ
۲-	فصیلِ غم	غزلیں، نظمیں	طبع شدہ
۳-	نوائے غم	غزلیں، نظمیں	زیرِ طبع
۴-	آنکھ کا جگنو	نظمیں	زیرِ طبع
۵-	رباعیاتِ طور		زیرِ طبع
۶-	طورِ سینا	نعتوں کا دوسرا مجموعہ	زیرِ طبع
۷-	زخمِ دل	فارسی غزلیں و قطعات	زیرِ طبع

(ثنائی پریس سرگودھا)